بارہ دن ریاستِ میسور میں

از

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندوی

: ناشر :

طلبۂ بھٹکل، دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

بار دوم

شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ جنوری ۱۹۹۶ء

کاتب .... سید عبد العزیز بستوی

طباعت .... پاریکھ آفسیٹ پریس

تعداد اشاعت .... ایک ہزار ۱۰۰۰

قیمت .... روپئے

باہتمام

قاضی محمد فاروق بھٹکلی ندوی

طابع وناشر:

طلبۂ بھٹکل، دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔ یو۔ پی

ملنے کا پتہ

فیروز بک ڈپو سٹی مارکیٹ، بنگلور ۔ ۵۶۰۰۰۲

الحجاز ایجنسی، مین روڈ۔ بھٹکل ۔ ۵۸۱۳۲۰

مکتبہ ندویہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، پوسٹ بکس ۹۳ پن کوڈ ۲۲۶۰۰۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

راقم سطور کی عرصہ بعد اپنے سفر کی ایک سرگذشت پر نظر پڑی جو "بارہ دن ریاست میسور میں" کے نام سے جولائی ۱۹۶۳ء میں انجمن طلبۂ قدیم دار العلوم ندوۃ العلماء کی طرف سے شائع ہوئی تھی، راقم خود ستائی اور فخر کے طور پر نہیں کہتا کہ اس کے لئے من جانب اللہ اتنے کثیر اتنے طویل سفر مقدر تھے، جو عمل میں آکر رہے اور جن کی اپنی کثرت وطوالت میں (فخریہ نہیں کہا جاتا کہ یہ سب تقدیری کارفرمائی اور توفیق الٰہی کی کرشمہ سازی ہے) اس کے رفقاء و معاصرین کی زندگی میں کم نظیر ملے گی ان میں ایشیائی ممالک کے علاوہ یورپ، امریکا کناڈا، شمالی افریقہ، اور روس بھی شامل ہے اور مراکش و اسپین کا قدیم تاریخی اسلامی خطہ بھی داخل ہے، اسی کے ساتھ راقم کو ان میں سے بہت سے ممالک کے سفرناموں کو مرتب کرنے اور ان سفروں کی سرگذشت سنانے، ان کا تاریخی پس منظر بیان کرنے اور وہاں کے مشاہدات وتاثرات کے قلمبند کرنے کی بھی توفیق حاصل ہوئی جن میں مصر و شام فلسطین، امریکا، ترکی، مغرب اقصیٰ (مراکش ورباط) بھی شامل ہیں، اس سلسلہ میں دو سفرنامے مذاکرات سائح فی الشرق العربی اور من نہر کابل الی نہر الیرموک کی بڑے پیمانہ پر غیر متعدد زبانوں میں اشاعت ہوئی۔ ان کی تاریخی وعلمی افادیت، معلومات افزائی اور فکر انگیزی میں کوئی کلام نہیں، اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہے۔

لیکن ریاست میسور کے اس دورہ کی سرگذشت میں (جو ۱۱ نومبر ۱۹۶۲ء سے

شروع ہو کر ۲۲ر نومبر تک جاری رہا اور جس میں مرکزی علم مجلس مشاورت کے وفد کے ساتھ جس میں تقریباً تمام ارکان مجلس اور شریک جماعتوں کے ذمہ دار نمائندے شریک تھے) جو بے ساختگی اور دل آویزی، تصویر کشی اور منظر نمائی حقیقت بینی، اور حقیقت نمائی، معلومات و مشاہدات، جذبات اور فکر آفروزی اور تشکر و اعتراف نظر آیا وہ کم سفرناموں میں دیکھنا یاد ہے، اس کے تین وجوہ تھے، ایک وہ تاریخی دور اور وقفہ جس میں مسلم مشاورت کا قیام عمل میں آیا تھا۔ ہندوستان میں فرقہ وارانہ فسادات کا ایک طوفان اٹھا تھا جس کا سب سے بڑا مظاہرہ جمشید پور، راؤر کیلا (بہار) پر ہوا، پھر ایک متحد اسلامی قیادت کا فقدان، ہر سلسلہ میں مشاورت کا قیام اور اس کے دورے، دوسرے اس سفر و دورہ کا محل و مقام اس کا تاریخی پس منظر، سلطان ٹیپو شہیدؒ سے اس کی نسبت، تیسرے وہاں کے مسلمانوں، جماعتوں، اداروں اور افراد و تنظیمات کا مخلصانہ اور پرجوش استقبال و خیر مقدم ان خصوصیات نے اس دورہ میں جان ڈال دی تھی اور پھر اس کی سرگزشت لکھنے میں ایک نیا رنگ و آہنگ پیدا کر دیا تھا۔ جو سفرناموں میں کم ہوا کرتا ہے، مسلم مجلس مشاورت کے قیام، اس سے جو امیدیں وابستہ کی گئی تھیں ایک نئی دینی حمیّت و شعور کے پیدا ہونے کی اُمید اور مستقبل کے امکانات جو مبہم بھی تھے اور مشکوک بھی، اور اسی کے ساتھ اُمید افزا بھی سرگزشت کے آغاز کے لئے مصحفی کا یہ شعر دل و دماغ میں اٹھا گیا، اور قلم نے اسی سے سرگزشت کے لکھنے کا آغاز کیا۔

چلی بھی جا جرس غنچہ کی صدا پہ نسیم
کہیں تو قافلۂ نوبہار ٹھہرے گا

اس شعر کے موزوں اور برمحل ہونے کی اس زمانہ کے مشہور ادیب و نقاد پروفیسر رشید احمد صدیقی (صدر شعبۂ اُردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ) نے اپنے ایک مکتوب میں بڑی داد دی اور حقیقت میں یہ شعر بڑا برمحل اور موزوں تھا، جو امید و بیم کی مشترک کیفیت کو بیان کرتا ہے لیکن امید کے پلڑے کو مایوسی پر غالب رکھتا ہے۔

حال میں یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ طلبۂ بھٹکل دار العلوم ندوۃ العلماء نے اس سرگزشت اور مختصر سفرنامے کو دوبارہ شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے، اور جو عنقریب شائع ہو کر دوبارہ ان حقائق و تاثرات و جذبات اور مشوروں اور ملاحظات کو تازہ کرے گا جو اس سرگزشت میں آئے ہیں میں بحیثیت مصنف بلکہ ان معلومات تأثرات کے قدر افزا کی حیثیت سے جو اس کتاب میں آتے ہیں، اس اقدام و فیصلہ کی تحسین و تائید کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ اس سے نہ صرف ریاست میسور کے باشندوں اور جنوبی ہند کے رہنے والوں بلکہ عام مسلمانوں اور قارئین کو اس سے فائدہ پہونچے، اور ان کے دینی خیالات و جذبات میں ایک نئی تحریک پیدا ہو۔

وما ذلك على الله بعزيز

(مولانا) سید ابوالحسن علی ندوی
مہمان خانہ
دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

عرضِ ناشر

الحمد للہ الذی وفقنا لطبع ھذا الکتاب وأشھد أن محمدًا عبدہ ورسولہ. اما بعد:

رب ذوالجلال کا بے انتہا فضل وکرم ہے کہ اس نے ہم طلبۂ بھٹکل (دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) کو مفکر اسلام حضرت مولانا مدظلہ العالی کی چند اہم اور گرانقدر کتابوں کو شائع کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔

ہماری اشاعت کے سلسلہ کی پہلی کڑی (بارہ دن ریاست میسور میں) ہے جو جولائی ۱۹۷۲ء مولانا فاروق صاحب ندوی اور مولانا عبدالعزیز صاحب ندوی کی محنت وکاوش سے زیورِ طبع سے مزین ہو کر منظرِ عام پر آئی۔ پھر موقع بموقع دس دیگر رسالوں کو شائع کرنے کی توفیق ہوئی الحمد للہ تمام شائع کردہ کتابیں بہت ہی مقبول ہوئیں۔

اب ہم طلبۂ بھٹکل (دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ) حضرت مولانا سید ابوالحسن علی صاحب الحسنی الندوی کے مشورے سے ہمارے سلسلۂ اشاعت کی پہلی کڑی (بارہ دن ریاست میسور میں) کو دوبارہ شائع کر رہے ہیں۔

اس ایڈیشن کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کتاب میں حضرت مولانا مدظلہ العالی کا ایک گرانقدر اور مفید دیباچہ بھی شامل ہے جس میں حضرت مولانا نے اس کتاب کے لکھنے کے اسباب اور محرکات بھی بیان فرمائے ہیں اور اس ایڈیشن میں حتی الامکان یہ کوشش کی گئی ہے کہ پہلے ایڈیشن میں جو غلطیاں رہ گئی تھیں اس کی تصحیح ہو جائے اگر مزید کوئی غلطی نظر آئے تو قارئین کرام سے مخلصانہ التماس ہے کہ ہم کو مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ ان غلطیوں کو دور کیا جا سکے۔

آخر میں ہم ان تمام حضرات کے مشکور ہیں جنھوں نے اس کتاب کی اشاعت کے سلسلہ میں ہم طلبۂ بھٹکل کی رہنمائی فرمائی اور ہم حضرت مولانا مدظلہ العالی کے بھی بہت ہی ممنون ہیں کہ آپ نے اپنی تمام تر دینی مصروفیات کے باوجود اس کا (دیباچہ طبع ثانی) لکھ کر ہم طلبۂ بھٹکل کی ہمت افزائی فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو اجر کامل عطا فرمائے

جزاك الله خير

اللہ تعالیٰ سے قوی امید ہے کہ یہ کتاب علمی و دینی اور عامی حلقوں میں لائق توجہ اور عنداللہ مقبول ہوگی۔

عبدالمقیت قاضیا ندوی
سکریٹری
طلبۂ بھٹکل (دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)
۴ر شعبان المعظم ۱۴۱۶ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

از مولانا محمد الحسنی صاحب ایڈیٹر ماہنامہ "البعث الاسلامی"
و پندرہ روزہ "تعمیر حیات" دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

عم مخدوم و معظم مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ نے ۱۱ر نومبر سے ۲۲ر نومبر ۱۹۶۶ء تک ریاست میسور کا طویل دورہ کیا جس کی مجموعی مسافت کا اندازہ ساڑھے چار ہزار میل ہے اس دورہ کا انتظام مجلس مشاورت کی طرف سے کیا گیا تھا۔ مجلسِ مشاورت کے وفود نے جتنے دورے کئے وہ سب بہت کامیاب اور ہمت افزا کہے جا سکتے ہیں لیکن شاید یہ دورہ ان تمام دوروں سے زیادہ کامیاب، مفید اور پُر لطف تھا، بعد میں مولانا نے اس دورے کے تأثرات قلمبند فرمائے اور وہ "ندائے ملّت" کے کئی شماروں میں مسلسل شائع ہوئے اور اب اپنی خصوصی اہمیت و افادیت کے پیشِ نظر مستقل رسالہ کی شکل میں شائع کئے جا رہے ہیں۔

لیکن یہ قیمتی رسالہ تنہا ان ہی واقعات و تفصیلات پر مشتمل نہیں، یہ اعلیٰ تاریخی و ادبی ذوق، منظر نگاری، فکرِ اسلامی، اور دعوت دینی، مسلمانوں کے صحیح سیاسی جذبات کی ترجمانی اور ان کی سیاسی و دینی رہنمائی کا ایک ایسا حسین گلدستہ ہے جس میں ہر صاحب ذوق کی تسکین کا سامان ہے۔ یہ اس سرزمین کی داستان ہے جو سلطان ٹیپوؒ کے خونِ شہادت سے لالہ زار بلکہ سرخرو ہوئی۔

یہ ملّتِ اسلامی کی ایک بولتی ہوئی اور زندہ تصویر بھی ہے۔ جس کو دیکھ کر ہم اندازہ کرسکتے ہیں کہ اس ملّت کا ہم سے کیا مطالبہ ہے اور بالخصوص نوجوانوں اور ان سے بڑھ کر طالبانِ علومِ نبوت پر اس کی کیا ذمہ داری ہے۔ نیز اس عظیم مہم کے لئے کتنی عظیم صلاحیتیں اور تیاریاں درکار ہیں؟

راقم سطور کی خوش نصیبی ہے کہ اس کو اس رسالہ کے سلسلے میں کچھ عرض کرنے کا موقع ملا۔ دارالعلوم کے وہ حوصلہ مند اور باذوق طلبہ جن کا ریاست میسور سے وطنی تعلق ہے بالخصوص مولوی قاضی محمد فاروق بھٹکلی ندوی اور ان کے دوسرے بھٹکلی رفقاء مبارکباد کے مستحق ہیں کہ وہ اس کو بہت اہتمام سے شائع کر رہے ہیں اور ان کی خواہش ہے کہ اس رسالہ کی میسور اور پورے جنوبی ہند میں (جہاں اردو اچھی طرح سمجھی اور بولی جاتی ہے) بڑے پیمانہ پر اشاعت ہو اور تاریخ و ادب اور دین و سیاست کے یہ نقوش جو اس مبارک قافلہ نے ہندوستان کی اس خوبصورت ریاست میں چھوڑے ہیں دیرپا اور زندہ جاوید بن جاویں اور اہل طلب و اہلِ ہمّت کے لئے ہر جگہ مشعلِ راہ ثابت ہوں۔

محمد الحسنی

۳ رجمادی الثانی ۱۳۹۲ھ بروز جمعہ
دائرہ شاہ علم اللہ۔ رائے بریلی۔

بارہ[۱۲] دن ریاست میسور میں

چلی بھی جا جرسِ غنچہ کی صدا پہ نسیم
کہیں تو قافلۂ نوبہار ٹھہرے گا

ساڑھے چار ہزار میل کا طویل دورہ

۱۱ر نومبر سے ۲۲ر نومبر ۶۶ءتک مرکزی مسلم مجلس مشاورت کے ایک وفد نے جس میں تقریباً تمام اہم ارکان مجلس اور شریک جماعتوں کے ذمہ دار نمائندے شریک تھے، ریاست میسور کا دورہ کیا یہ ایک نہایت طویل وسیع اور مؤثر دورہ تھا جو ہندوستان کی کسی منظم جماعت نے ماضی قریب میں کیا ہوگا۔ مجموعی طور پر اس وفد نے جو مسافت طے کی وہ تقریباً ساڑھے چار ہزار میل کی ہے، اس میں تقریباً ڈیڑھ ہزار میل کی مسافت بس سے طے کی گئی، قافلہ نے اپنا سفر بذریعہ بس مدراس سے شروع کیا اور گلبرگہ پر ختم کیا۔ اس قافلہ میں نو[۹] مرکزی مجلس کے ارکان شریک تھے اور پندرہ ریاستی مجلس کے ارکان داعی و منتظمین اور اخباروں کے ایڈیٹر اور رپورٹر وفد چھتیس[۳۶] مقامات سے گزرا جن میں سے پندرہ[۱۵] وہ بڑے شہر اور اہم مقامات تھے جہاں عظیم الشان جلسے منعقد ہوئے اور ارکان وفد نے پر اثر اور ولولہ انگیز تقریریں کیں، اکیس[۲۱] راستے کے وہ چھوٹے مقامات تھے جہاں ارکان وفد کا بڑے بڑے مجموعوں نے استقبال کیا شرکاء وفد کی گلپوشی کی ان کے اعزاز میں اہل قصبہ یا میونسپلٹی کے چیرمینوں نے جن میں بڑی تعداد غیر مسلم حضرات کی تھی، استقبالیہ دیئے۔ ایڈریس یا خیر مقدمی قصائد پڑھے گئے اور صدر محترم ڈاکٹر سید محمود صاحب نے یا ارکان وفد نے ان کا جواب دیا

اور مجلس کا پیغام پہونچایا۔

تحریکِ خلافت کے بعد شوکتِ اسلامی کا پہلا نظارہ

اس پورے طویل راستے میں، جو ڈیڑھ ہزار میل پر پھیلا ہوا تھا۔ اور گیارہ بارہ دن میں طے ہوا۔ استقبال کرنے والوں کا خلوص، ان کی مسرت اور اُن کا جوش وخروش دیکھنے کے قابل تھا۔ ہندو مسلمانوں کے اتحاد کا ایسا نظارہ بھی تحریکِ خلافت کے بعد دیکھنے میں نہ آیا ہوگا۔ یہ معلوم ہوتا تھا کہ جنوبی ہند کا یہ خطہ ملک کی پوری آبادی کو محبّت واتحاد اور ملّت اسلامیہ کو جرأت واعتماد کا پیام دینے والوں کے استقبال کے لئے امنڈ آیا ہے۔ اس دورہ سے اندازہ ہوا کہ اہلِ ملک کے ضمیر میں محبّت کی کیسی چنگاری، قبولِ حق کی کتنی صلاحیت اور سلامت روی کا کتنا مادہ ہے اور اگر بے لوث وبے غرض، خود آگاہ وخداترس، خادم ملک وملت، سیاسی اغراض وذاتی مفادات سے بالاتر ہوکر اس ملک کے سیدھے سادے باشندوں خاموش مگر گرم جوش عوام سے براہِ راست رابطہ پیدا کریں اور ان کے دماغ سے زیادہ ان کے دل اور ضمیر کو خطاب کریں تو وہ کس طرح پروانوں کی طرح ٹوٹ پڑتے ہیں، یہ پورا خطہ جو صرف جنوبی ہند نہیں بلکہ پورے ہندوستان کی نمائندگی کرتا تھا۔ جو زبانِ حال سے پکار پکار کر کہہ رہا تھا اور دشت وجبل سے یہی صدا آرہی تھی۔

ہمہ آہوانِ صحرا سرِ خود نہادہ بر کف
بہ امید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

پہلی منزل

دورہ کا آغاز کولار سے ہوا جو مدراس وبنگلور کے درمیان واقع ہے۔ وفد کے ارکان کی بڑی تعداد جن میں مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب نائب صدر مجلس، ملاجان محمد صاحب (کلکتہ) مولانا ابواللیث صاحب ندوی امیرِ جماعت اسلامی مولانا محمد منظور صاحب نعمانی، سیّد محمد مجتبیٰ صاحب وکیل اور یہ راقم سطور شامل تھے۔

۱۱ اور ۱۲ نومبر کی درمیانی شب میں مدراس اتنی تاخیر سے پہونچے کہ اس جلسہ میں شریک نہیں ہو سکے۔ جلسہ کو ڈاکٹر سید محمود صاحب، این ایم انور صاحب، ابراھیم سلیمان صاحب (جنرل سکریٹری مسلم لیگ) وغیرہ نے خطاب کیا۔ ہم لوگ جب رات کے ایک بجے مدراس کے اسٹیشن پر پہونچے تو میزبانوں اور ریاستی شاخ کے ارکان کی ایک جماعت موجود تھی ان حضرات نے پورے دورے کے لئے ایک خوبصورت اور آرام دہ بس مستقل طور پر محفوظ کر لی تھی۔ مجھے معلوم ہوا ہے کہ ساڑھے تین ہزار روپئے پر اس بس کا انتظام کیا گیا تھا۔ ارکان وفد جو سفر کی طوالت اور راستہ کی اچانک تبدیلی کی وجہ سے حد درجہ خستہ اور شکستہ ہو رہے تھے اسی وقت بنگلور کے لئے روانہ ہوئے۔

رہرواں راخستگئ راہ نیست
عشق ہم راہست ہم خود منزلست

بنگلور میں

دس بجے کے قریب یہ قافلہ بنگلور پہونچا۔ قیام کا انتظام لیجسلیٹرس ہوسٹل میں تھا جس کو ہمارے لکھنؤ میں دارالشفاء کے مرادف سمجھنا چاہیئے اور جو ریاست میسور کے ممبران اسمبلی کی سرکاری قیام گاہ ہے۔ سامنے اسمبلی کی شاندار خوش وضع عمارت تھی۔ یوں تو پورا شہر خوش وضع اور خوش قطع، صاف ستھرا اور نہایت کشادہ اور دل کشا ہے۔ لیکن یہ حصہ خاص طور پر بہت فرحت افزا اور پر رونق ہے۔ موسم نہایت خوشگوار اور کسی قدر خنک تھا۔ شہر کی آبادی پندرہ لاکھ سے اٹھارہ لاکھ بتائی جاتی ہے۔ جس میں مسلمانوں کی تعداد کا تناسب پندرہ و بیس فیصدی ہے۔

جنوبی ہند کا دہلی یا لکھنؤ

اس شہر پر ٹیپو سلطانؒ کی قدیم حکومت کے اثر اور دوسرے اسباب کی بناء پر اچھی خاصی اسلامی چھاپ ہے اور جنوبی ہند میں وہ دہلی اور لکھنؤ کی تہذیب کا نمائندہ ہے۔ یوں تو پوری ریاست میسور کے مسلمانوں کی قومی زبان اور ایک طرح سے مادری زبان اردو ہے اور وہ اسی میں لکھتے

پڑھتے اور آپس میں بولتے ہیں لیکن بنگلور خصوصیت کے ساتھ زمانہ قدیم سے اردو زبان و ادب اور صحافت کا مرکز رہے۔ اس وقت وہاں سے دس بارہ اردو کے اخبارات و رسائل نکلتے ہیں جن میں پانچ روزنامے ہیں۔ ان میں سے کم سے کم دو اخبار (سالار اور نشیمن) ایسے ہیں جن کی اشاعت دس بارہ ہزار سے کم نہیں ہے۔ اہلِ شہر کو اردو سے شغف اور تعصب کی حد تک دلچسپی اور وابستگی ہے۔ اس وقت بھی وہاں متعدد ادیب، مصنف اور شاعر پائے جاتے ہیں۔

شہر کی مصروفیتیں

شام کو مدرسہ سبیل الرشاد میں ایک مختصر سی تقریب ہوئی جس میں مولانا مفتی عتیق الرحمٰن، مولانا ابواللیث اصلاحی، مولانا نعمانی اور راقم نے شرکت کی یہ مدرسہ مولانا مفتی ابوالسعود صاحب کی اہتمام میں چل رہا ہے جو جنوبی ہند کے ایک مخلص اور سرگرم عالم ہیں یہاں خطاب کا قرعہ فال راقم کے نام پڑا اور موقع و محل کے مطابق کچھ باتیں عرض کی گئیں واپسی پر ہم لوگ سیدھے بنگلور کے کلب کی عمارت میں آئے جہاں اہل شہر کی طرف سے عصرانہ تھا مجلس کی طرف سے ڈاکٹر سید محمود، این، ایم انور اور شہر کارپوریشن کی طرف سے دو غیر مسلم حضرات نے جو دو سیاسی پارٹیوں سے تعلق رکھتے ہیں انگریزی میں تقریریں کیں۔ رات کو بعد نماز عشاء پبلک جلسہ تھا جس میں ہزاروں کی تعداد میں اہل بنگلور شریک ہوئے جلسے میں تو غیر مسلم حضرات کی تعداد کا اندازہ نہ ہو سکا۔ لیکن ڈائس پر متعدد سربرآوردہ غیر مسلم حضرات موجود تھے۔ جلسے کی صدارت مولوی سراج الحسن صاحب امیر جماعت اسلامی میسور نے کی۔ اور بڑے ادیبانہ انداز کے ساتھ مہمانوں کا تعارف کرایا جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ وہ شخصی طور پر ہر ایک سے واقف ہیں۔ جا بجا اقبال کے اشعار نے لطف دوبالا کر دیا۔ ڈاکٹر صاحب، مفتی صاحب، ملاجان صاحب، اور راقم نے تقریریں کیں۔

سلطان ٹیپو کی یاد

اس موقع پر سلطان شہید، سلطان ٹیپو کی یاد آنی قدرتی بات تھی اکثر مقرروں نے اپنی تقریر کی ابتداء انھیں کے ذکرِ خیر سے کی ایک مقرر نے ان کی دو دو

خصوصیتوں کی طرف خاص طور پر متوجہ کیا۔ ایک انکی فراستِ خداداد اور سیاسی ذہانت و دور بینی جس سے انھوں نے انگریزوں کے خطرے کو اس طرح محسوس کیا اور اس طرح اس کی نشاندہی کی کہ اس کی نظیر نہ صرف حکمرانوں کے طبقے بلکہ سیاسی بصیرت رکھنے والوں اور ہندوستان کے اہل علم و اہل نظر میں بھی ملنی مشکل ہے اس موقع پر اقبال کے ان دو شعروں نے بڑا لطف دیا۔

ع
دو صد دانا دریں محفل سخن گفت
سخن نازک تر از برگ سمن گفت
ولے با من بگو آں دیدہ ور کیست
کہ خارے دید و احوال چمن گفت

بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو کھو سکا

دوسری ان کی یہ خصوصیت کہ انھوں نے ملک کی حفاظت اور سالمیت کی ذمہ داری قبول کی اور کسی اور طاقت کا انتظار کئے بغیر انھوں نے ملک کی قیادت سنبھالی لی۔ اور اس کے لئے انھوں نے جان و مال، عزت و آبرو کی بازی لگادی، ان کی ناکامی بھی بہت بڑی کامرانی تھی۔ ان کا یہ کارنامہ ہندوستان کے تمام بلند بانگ مدعیوں کو خطاب کرکے کہتا ہے۔

ع
سودا قمارِ عشق میں خسرو سے کوہکن
بازی اگرچہ لے نہ سکا سر تو کھو سکا
کس منہ سے اپنے آپ کو کہتا ہے عشق باز
اے روسیاہ! تجھ سے تو یہ بھی نہ ہو سکا

پھر اس تذکرہ سے (جو محض ایک تاریخی تذکرہ اور خراج عقیدت نہ تھا) مسلمانوں کو سلطان شہید کی تقلید پر آمادہ کیا گیا اور ان سے کہا گیا کہ اس وقت ملک سے غیر ملکی اقتدار کے ختم کرنے کا سوال نہیں لیکن ملک کی حفاظت اور استحکام کا سوال ضرور درپیش ہے۔ جو پہلے خطرے سے کسی طرح کم نہیں۔ مسلمانوں کو ملک کی حفاظت و استحکام کے لئے میدان

میں آنا چاہیئے اور سلطان شہید اور ان کے رفقاء کی طرح پیرو اور خیمہ بردار بننے کے بجائے اس ملک میں قیادت کا علم سنبھالنا چاہیئے، اور فالور کے بجائے لیڈر بن کر سامنے آنا چاہیئے کہ قوموں اور ملتوں کو پیروی سے نہیں پیشروی اور سربراہی سے عزت و سرفرازی حاصل ہوتی ہے اور مسلمانوں کا اصل مقام امامت و قیادت ہی کا ہے۔

میسور کی طرف

صبح چائے ناشتہ کے بعد یہ قافلہ ریاست میسور کی شاخ کے صدر و قائد جناب عزیز سیٹھ صاحب کی رہنمائی میں جن کی خداداد صلاحیتوں کا جوہر بعد میں کھلتا چلا گیا اور ان کے ان رفقائے کار کی معیت میں جو ہم اکی تعداد میں تھے میسور کی جانب روانہ ہوا۔ رفقاء میں محمد اسماعیل صاحب جنرل سکریٹری مجلس مشاورت شاخ میسور اور دوسرے مقامی احباب تھے جن کا ذکر موقعہ بہ موقعہ آئے گا۔ روزنامہ سالار کے اڈیٹر محمود ایاز صاحب نیز نشیمن کے مدیر عثمان صاحب اور روزنامہ آزاد اور نشیمن کے رپورٹر حضرات بھی تھے۔

ہندو مسلم اتحاد کا منظر

یہ سفر کا اصل آغاز تھا اور اب ہم ریاست میسور کے اندر جا رہے تھے دن کا وقت تھا راستہ میں درجنوں ایسے قصبات و مقامات تھے جن کی ہندو مسلم آبادی وفد کا استقبال کرنے کے لئے تیار اور خصوصیت کے ساتھ مسلم آبادی سراپا چشم انتظار تھی بس ہر تھوڑے عرصہ کے بعد کسی آباد مقام پر رکتی اہل قصبہ جوش و خروش کے ساتھ نعرے لگاتے جن میں ہندوستان زندہ باد، ہندو مسلم اتحاد زندہ باد، مسلم مجلس مشاورت زندہ باد، اور ڈاکٹر سید محمود زندہ باد کے نعرے خاص طور سے قابلِ ذکر ہیں۔ متعدد مقامات پر وفد کو بس سے اترنا پڑا۔ میونسپل ہال میں ان کا استقبال کیا گیا۔ ارکان کا تعارف ہوا کثرت سے ہار پہنائے گئے ان مقامات پر زیادہ تر ہندو چیرمین تھے انھوں نے انگریزی میں وفد کا خیر مقدم کیا اور ڈاکٹر صاحب یا وفد کے سکریٹری جنرل انور صاحب اور کہیں کہیں مفتی عتیق الرحمان صاحب نے خطاب کیا میسور بنگلور سے کل اسّی میل ہے۔ یہ مسافت ڈو ڈھائی گھنٹے میں طے ہو جانی چاہیئے

تھی لیکن ان جلسوں، جلوسوں اور راستے کی ضیافتوں کی وجہ سے ۸ ½ ۸ گھنٹے میں طے ہوئی اور شام کو تقریباً ساڑھے چار بجے ہم لوگ اس خوبصورت اور باعظمت شہر میں داخل ہوئے جس کی یاد سے ٹیپو سلطان کی یاد خود بخود تازہ ہو جاتی ہے۔ تمام رفقائے سفر مسلسل سفر اور رات کے جاگنے کی وجہ سے خستہ اور ماندہ ہو رہے تھے۔ عصر کی نماز قیام گاہ پر پڑھی گئی جو ایک مسلمان تاجر کی وسیع کوٹھی ہے۔ ڈاکٹر صاحب میونسپل ہال چلے گئے، جہاں ان کا خیر مقدم کیا گیا پھر ایک مسلم ہاسٹل کے طلباء کو انھوں نے خطاب کیا اور عشائ کے قریب واپس آئے اور دن بھر کے سفر کے بعد سب نے کھانا کھایا۔

میلاد میدان کا جلسۂ عام

رات کو میلاد میدان میں عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں مولانا محمد منظور نعمانی، ملا جان صاحب، ابراہیم سلیمان صاحب وغیرہ نے تقریریں کیں مولانا نے بتایا کہ جمہوریت کتنی بڑی نعمت ہے اسکی حفاظت کس قدر ضروری ہے آمریت اور انقلاب سے ملک کو کتنا بڑا خطرہ لاحق ہے اہل ملک اور مسلمانوں کو ملک کے آزاد ہونے کے بعد کن مایوسیوں اور دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اب ایک سچے محب وطن اور مسلمان کا کردار کیا ہے؟

ہمارا یہ قافلہ اتنا تھکا ماندہ اور وقت اتنا نپا تُلا تھا کہ ہم میسور کا وہ شہرۂ آفاق بندھ نہ دیکھ سکے جس کو دیکھنے کے لئے دور دور سے سیّاح آتے ہیں اور جب رات کو وہاں روشنی کی جاتی ہے تو عجیب منظر ہوتا ہے۔ سب اہلِ قافلہ پر مقصد اور سفر کی اصل منزل (تحریک و دعوت) کا خیال اتنا طاری تھا کہ قابل دید مقامات اور سیر و تماشہ کی طرف کم توجہ تھی۔

سلطان ٹیپو سے ہمارے خاندانی روابط

۱۴ر نومبر کو ہمارا قافلہ سلطان شہید کے دار الحکومت اور ان کے مشہد و مدفن (سرنگاپٹن) کی طرف رواں تھا بعض لوگوں کی مدتوں کی آرزو پوری ہونے کا وقت آیا تھا جب سے ہوش کی آنکھیں کھولیں اور دل و دماغ نے اپنا کام شروع کیا سلطان

شہید کی عقیدت و محبت جسم و جان میں پیوست ہوتی چلی گئی اور وہ زندگی کی ایک عزیز ولذیذ متاع بن گئی جہاں تک راقم کا تعلق ہے اس کے روحانی روابط اس سے زیادہ وسیع وعمیق تھے جتنے اکثر رفقاء کے تھے۔ ہماری خاندانی روایات اور بعض تاریخی دستاویزوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سلطان شہید کے خاندان کو سید شہید کے خاندان سے روحانی ارتباط رہا ہے

سلطان وقت اور مجاہد اعظم کی آرام گاہ سرنگاپٹن میں

غرض شوق و عقیدت اور حزن و مسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ ملک و ملت کے حقیر و بے نوا خادموں کا یہ قافلہ ایک سلطان وقت اور مجاہد اعظم کی رزمگاہ اور آرام گاہ کی طرف رواں دواں تھا۔ سرنگاپٹن کے حدود میں داخل ہوئے اور اس قابل احترام مقبرۂ شاہی کے باغ میں قدم رکھا تو بے اختیار مرزا مظہر جان جاناں شہید کا یہ شعر یاد آیا۔

یہ بلبلوں کا صبا مشہد مقدس ہے
قدم سنبھال کے رکھیو یہ تیرا باغ نہیں

شیر کی زندگی کی ایک ساعت گیدڑ کی سوسالہ زندگی سے بہتر ہے

اصل آرام گاہ کی عمارت آئی جس کے چاروں طرف سنگ اسود کے نہایت خوبصورت و مستحکم ستون ہیں اور ان پر یہ ایوان قائم ہے۔ چاروں طرف وسیع میدان ایک جانب خوشنما اور دل آویز مسجد۔ ڈبڈباتی آنکھوں اور لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ اس مردِ مومن، اس فقیرِ غیور اور امیر جسور کی قبر پر حاضر ہوئے جس نے شیر کی زندگی کی ایک ساعت کو گیدڑ کی زندگی کے سو سال پر ترجیح دی تھی اور جس نے اپنے لئے تسبیح خاموش کے بجائے تکبیر پرخروش کا انتخاب کیا تھا۔

یا وسعت افلاک میں تکبیر مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہب مردان خود آگاہ و خدا ہیں
یہ مذہب ملا و جمادات و نباتات

داخل ہوتے ہی سامنے سلطان شہید کی قبر ہے جس پر سُرخ چادر پڑی ہوئی ہے اس کے بعد ان کے والد نامدار بانیٔ سلطنت سلطان حیدعلی کی قبر ہے جس پر سیاہ چادر ہے۔

ہندوستانی مسلمان سلطان ٹیپو کے خونِ شہادت سے سرخرو اور باآبرو ہیں

اب ہم سب اہل قافلہ اس شہید کی تربت کے سامنے کھڑے ہوئے تھے جس کی شان عزیمت اور خونِ شہادت سے ہندوستان کے مسلمان سربلند و سرخرو اور باعظمت و باآبرو ہیں جس نے دورِ آخر میں مسلمانوں کی لاج رکھ لی اور جس کا سا بلند نظر، بلند ہمت، صاحب ایمان، صاحب یقین، صاحب کردار اور صاحب سیرت قائد، مجاہد کم سے کم اٹھارہویں صدی عیسوی میں پیدا نہیں ہوا۔ ؏

ترکش مارا خدنگ آخریں

اقبال کے چند مناسب حال اشعار

سبھی پر ایک کیفیت و عالم طاری تھا فاتحہ پڑھ کر اور اپنی اپنی حیثیت و ہمت کے مطابق ایصال ثواب کرکے ہم لوگ باہر آئے مسجد و مدفن کے درمیانی صحن میں جمع ہوئے جہاں ہمارا بوڑھا قائد بھی کھڑا تھا تو میں نے اپنے عزیز رفیق ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب سے جن کو اللہ نے ادب کا پاکیزہ ذوق اور خصوصیت کے ساتھ اقبال کے کلام کے ساتھ اعلیٰ شغف عطا فرمایا ہے، فرمائش کی کہ وہ اس موقع کے مناسب اشعار پڑھیں۔ انھوں نے ظفر علی خاں مرحوم کے دو شعر پڑھے۔ موقع و محل اور حسن انتخاب نے ایک سماں باندھ دیا۔ پہلا شعر تو مجھے یاد نہیں رہا۔ دوسرا شعر یہ تھا۔ ؏

اس کے اٹھتے ہی مسلمان کا گھر بیٹھ گیا
تھا قیامت کا قیام اور قیامت کا قعود

"دریا دولت" کہ ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا

مقبرہ سے نکلتے ہی ہم لوگ ان کے گرمائی محل "دریا دولت" پر آئے۔ چاروں دیواروں پر میدان کارزار کے نقشے اور تصویریں بنی ہوئی تھیں جن میں ایک پوری

تاریخ کنندہ تھی معاصر سلاطین اور مسلمان حکمرانوں کی بے وفائی اور کم نگاہی، ملت فروشی و ضمیر باختگی عیاں تھی اور خاک کے ان ڈھیروں میں جو کبھی اقبال و بخت اور تاج و تخت کے نام سے یاد کئے جاتے تھے سلطان شہید کا یہ کارنامہ اس طرح نمایاں اور درخشاں تھا کہ۔ ع

ہو خاک میں جیسے کندن دمکتا

افسوس ہے کہ وقت میں گنجائش نہ تھی۔ ہم قلعہ پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالتے اور انتہا کے ساتھ اس ابتدا کو دیکھتے آگے بڑھ گئے۔

سلطان شہید کی وسیع قلمرو میں

سرنگاپٹن سے بادیدۂ نم روانہ ہوئے اب ہم کو مسلسل کئی سو میل اور کئی دن تک سلطان شہید کی اس وسیع قلمرو میں چلنا تھا جو ان کی شہادت کے بعد قدیم ریاست میسور میں ضم کر دی گئی۔ انقلاب زمانہ سے اس ریاست کا بھی خاتمہ ہوگیا اور وہ آزاد ہندوستان میں مدغم ہوگئی " وتلك الايام نداولها بين الناس " پھر جب لسانی بنیاد پر جنوبی ہند کے نئے صوبوں کی تشکیل ہوئی تو کنڑی زبان بولنے والے ان اضلاع کو جو پہلے صوبہ مدراس، صوبہ بمبئی اور ریاست حیدرآباد میں شامل تھے اس نئے صوبے میں ضم کرکے وسیع تر کرناٹک کی بنیاد رکھی گئی۔ اس سلسلہ میں مدراس کے دو، بمبئی کے چار اور حیدرآباد کے تین اضلاع کو شامل کرلیا گیا۔ ہم پہلے قدیم اور اصلی ریاست میسور میں سے گذرتے ہوئے مدراس کرناٹک پھر بمبئی کرناٹک سے گذریں گے۔ اور ہمارا سفر انشاء اللہ حیدرآباد کرناٹک کے ضلع گلبرگہ میں ختم ہوگا۔

قصبہ ہنسور میں ایک دورافتادہ شاگرد سے ملاقات

تقریباً دو گھنٹے کے سفر کے بعد ایک مقام پر ہماری بس رکی استقبال کرنے والوں کا مجمع موجود تھا جنھوں نے نعروں اور ہاروں سے ذوق کا استقبال کیا معلوم ہوا کہ ہم کو ایک جلسے میں شرکت اور اہل قصبہ سے خطاب کرنا ہوگا۔ یہ قصبہ "ہنسور" تھا۔ اترتے ہی ایک صاحب تیزی کے ساتھ آگے بڑھے اور بہت گرم جوشی سے ملے اور کہا کہ میں آپ کا

شاگرد ہوں آپ نے مجھے پہچانا؟ تقریباً بیس برس کی بات تھی میں بالکل پہچان نہ سکا انھوں نے اپنا نام بتایا تو سب کچھ یاد آگیا ۳۳و۳۴ء کی بات ہے کہ ریاست میسور کے چار طالب علم دارالعلوم ندوۃ العلماء میں پڑھنے آئے تھے ان میں سے ایک یہ عبدالستار میسوری تھے اس وقت میری اور مولانا ابواللیث صاحب کی معلمانہ زندگی کا آغاز تھا ہم دونوں دارالعلوم میں نئے نئے استاد ہوئے تھے وہ اسی محبت اور جوش کے ساتھ مولانا سے بھی ملے اور اپنا تعارف کرایا۔ ندوہ سے جانے کے بعد پھر کچھ پتہ نہیں چلا۔ اب یہاں کے اسکول میں اردو فارسی کے منشی (ٹیچر) ہیں۔ قدیم ریاست میسور اور بمبئی کرناٹک میں اردو کی تعلیم کا جو اہتمام اس کے سلسلہ میں حکومتی سطح پر جو آسانیاں محکمۂ تعلیم کی جو فراخ دلی اور مسلمانوں میں اردو کی تعلیم واشاعت میں جو سرگرمی اور زندہ دلی دیکھی اس کا شمالی ہند میں جو اردو کا مرکز سمجھا جاتا ہے اور جس کے حمایت سے اردو کے نعروں نے آسمان سر پر اٹھالیا ہے کہیں نام ونشان نظر نہیں آتا۔ اس علاقے میں جا بجا اردو میڈیم اسکول ہیں جہاں خود مسلمانوں کا مرتب کیا ہوا اردو کا نصاب جس میں اسلامی عقائد، اسلامی تہذیب کے کھلے ہوئے اثرات موجود ہیں اور رائج ہیں متعدد اسکولوں میں جمعہ کو تعطیل ہوتی ہے مولوی عبدالستار جو یہاں خلش ندوی کے نام سے مشہور ہیں اسی خدمت پر مامور ہیں۔

خلش ندوی صاحب کی طرف سے ادیبانہ و دوستانہ خیر مقدم اور میری تقریر

ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا پہلے خلش ندوی صاحب نے بڑے اچھے ادبی اسلوب اور خطیبانہ انداز میں وفد کا خیر مقدم کیا اور کہا کہ یہ ابر رحمت ہمارے شہر کے پاس سے گذرتا ہوا جارہا تھا ہماری خوش قسمتی ہے کہ اس نے ہماری خاک کو سیراب کرنا منظور کرلیا اور ہم محروم نہیں رہے۔ اس کے بعد انھوں نے خیر مقدمی نظم سنائی جس میں ارکان وفد میں سے ایک ایک کا نام لے کر تعارف کرایا گیا تھا۔ اس تعارف سے ان کی واقفیت اور باخبری کا اندازہ ہوتا تھا۔ اور یہ نظم محض ایک قصیدۂ بہاریہ ہو کر نہیں رہ گئی جو ہر آنے والے پر چسپاں ہوسکتا ہے۔ خیر مقدم کے جواب میں انور صاحب نے

جواب دیا۔ پروگرام اتنا ہی تھا لیکن خلش صاحب نے (غالبًا اپنے ذاتی تعلق کی بنا پر) حاضرین مجلس کی طرف سے تقاضہ اور اصرار کیا کہ میں چند لفظ ضرور کہوں ٹیپ کرنے کا سامان موجود تھا میں مجبوراً کھڑا ہوا۔ اور عرض کیا کہ آج اتفاقی طور پر جن بھائیوں سے ملاقات ہوئی ہے اندازہ ہے کہ یا تو اب ان سے میدان قیامت میں ملاقات ہوگی یا کبھی میدان عرفات میں اس لئے اس ملاقات کو اس دنیا میں پہلی اور آخری سمجھنا چاہیئے اس موقعہ کو غنیمت سمجھتے ہوئے چند باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

نمک کی کنکری کی قائم مقامی نہ ہیرے کی کنی کر سکتی ہے نہ سونے کی ڈلی

آپ مسلمان انسانیت کا نمک ہیں، نمک دیکھنے میں ایک حقیر کنکری ہے لیکن کھانے میں اس کے بغیر ذائقہ پیدا نہیں ہوتا۔ نمک کی اس کنکری کی قائم مقامی نہ ہیرے کی کنی کر سکتی ہے نہ سونے کی ڈلی، اس کا کوئی بدل نہیں لیکن اگر خود نمک کی نمکینی ختم ہو جائے تو بقول حضرت مسیحؑ پھر اسکو کوئی چیز نمکین نہیں بنا سکتی۔ مسلمان ایک با اصول صاحب کردار، حق کی گواہی دینے والے، مظلوم کا ساتھ دینے والے اور بے لاگ طریقے پر کھرے کھوٹے کو الگ کر کے دکھانے والے ہیں۔

مسلمان کبھی چڑھتے سورج کا پجاری نہیں ہوسکتا

وہ کبھی موقعہ پرست، اقتدار پرست اور چڑھتے سورج کا پجاری نہیں ہوسکتا۔

وہ قطب نما کی طرح یکسو و قبلہ رو ہے

قطب نما کو دیکھئے جس کی مدد سے ہمیں قبلہ معلوم ہوتا ہے اور ہم اپنی نمازیں صحیح سمت پر پڑھتے ہیں۔ کیسی ہی تیز آندھی ہو، کیسی ہی تیز رفتار گاڑی ہو اور اس کا رُخ کسی طرف ہو وہ ایک ہی سمت کی طرف اشارہ کرتا رہے گا۔ ہر قسم کے خارجی اثرات سے آزاد، ماحول اور گرد و پیش سے بے پرواہ ترازو کو دیکھئے اس پر کتابیں رکھ دیجئے یا اینٹ پتھر وہ صحیح وزن بتائے گی۔ اگر ترازو بھی رشوت قبول کرنے لگے اور دوست دشمن میں فرق

کرنے لگے تو صحیح وزن کہاں سے معلوم ہوسکے گا. صداقت، استقامت، اور بے لاگ شہادت آپ کا جوہر ہے. اس جوہر کی حفاظت کیجئے کہ اپنا اصل جوہر کھو دینے کے بعد چیز کی کوئی قیمت باقی نہیں رہتی. آپ کو اس فرمان خداوندی کو سامنے رکھنا چاہیئے. خواہ سیاسی میدان ہو. خواہ اخلاقی اجتماعی مسئلہ " یاایھا الذین اٰمنوا کونوا قوامین للہ شھداء بالقسط ولا یجرمنکم شنان قوم علی ان لا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی." (اے ایمان والو! تم خدا کے لئے حق و صداقت کے علمبردار اور گواہ رہو اور کسی قوم کی دشمنی اور ضد میں آکر انصاف کا دامن کبھی ہاتھ سے چھوٹنے نہ پائے. ہمیشہ انصاف کا دم بھرتے رہنا یہی تقوی کا سب سے قریبی راستہ ہے)

افسوس ہے کہ یہ تقریر ٹیپ سے نقل نہیں کی جاسکی، حافظہ پر زور ڈال کر اس کی اصل روح اور خلاصہ نقل کر دیا گیا ہے میری مختصر تقریر کے بعد خلش ندوی صاحب نے وداعی کلمات اسی ادیبانہ انداز میں کہے اور وفد نعروں کی گونج اور پر جوش، پر حرارت مصافحوں کے درمیاں بس میں سوار ہوا.

جنوبی ہند کے دلفریب مناظر

ہنسور سے کچھ آگے بڑھنے کے بعد دلفریب قدرتی مناظر کا سلسلہ شروع ہوا. ہندوستان اتنے مختلف مناظر آب ہوا میدانوں اور کوہستانوں، وادیوں اور مرغزاروں کا مجموعہ ہے کہ وہ ایک ملک نہیں بلکہ ایک برصغیر معلوم ہوتا ہے. شمالی ہند کے باشندے عام طور پر جنوبی ہند کی خصوصیات قدرتی حسن اور قدرت کی بخشائشوں سے ناواقف ہیں اور بہت سے لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ خدا نے سب کچھ شمال اور شمال کے باشندوں ہی کو عطا فرما دیا ہے. شمالی ہند کا باشندہ جب جنوبی ہند کا سفر کرتا ہے تو اس کے لئے یہ سفر بعض اوقات نئی دنیا کی دریافت کے مرادف ہوتا ہے ہم ایک پر لطف اور فرحت افزا سفر کے بعد مرکارہ پہونچے جو ایک سرسبز وادی اور پہاڑ کا دامن ہے.

حسن بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لئے

پہلے ایک مسلمان رئیس کے جو کافی کے

باغات کے مالک ہیں خوشنما بنگلہ پر کچھ دیر آرام کیا۔ دوپہر کا کھانا کھایا اور ظہر کی نماز پڑھی، بنگلے کے صحن میں کھڑے ہوئے تو ایک سرسبز وادی سامنے تھی جو قدرتی حسن کا ایک عجیب منظر پیش کر رہی تھی، وہاں کھڑے ہوکر اقبالؔ کے یہ اشعار بے اختیار زبان پر آئے اور مجلس کو پڑھ کر سنائے ؎

پھر چراغ لالہ سے روشن ہوئے کوہ و دمن
مجھ کو پھر نغموں پہ اُکسانے لگا مرغ چمن
پھول ہیں صحرا میں یا پریاں قطار اندر قطار
اُودے اُودے نیلے نیلے پیلے پیلے پیرہن
برگ گل پر رکھ گئی شبنم کا موتی باد صبح
اور اس موتی کو چمکاتی ہے سورج کی کرن
حسن بے پروا کو اپنی بے نقابی کے لئے
بن اگر شہروں سے پیارے ہوں تو شہر اچھے کہ بن؟
اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن، اپنا تو بن

ہمارے میزبان کا حسن ذوق صاحب ذوق مالکِ مکان نے اس مکان میں ہر طرح کے پھولوں اور نایاب پودوں کا ذخیرہ اپنی شادابی اور قدرتی زندگی کے ساتھ جمع کیا تھا۔ ان میں ایک ایسا پھول تھا جو سال میں صرف ایک مرتبہ کھلتا ہے اس کی کلی محسوس آواز کے ساتھ جو ذرا فاصلہ پر بھی سنی جا سکتی ہے، چٹکتی ہے، پھر وہ پھول ایک گھنٹہ اپنی بہار دکھا کر مرجھا جاتا ہے۔

مرکارہ کے ٹاؤن ہال میں جلسہ یہاں کچھ دیر آرام کرکے ہم لوگ مرکارہ کے ٹاؤن ہال میں آئے جہاں ڈاکٹر صاحب اور بعض شرکائے وفد نے استقبالیہ جلسہ میں شرکت کی اور کچھ خطاب کیا۔ عصر کی نماز

یہیں پڑھ لی گئی اس لئے کہ اب سفر طویل اور مسلسل تھا اور راستہ پہاڑی۔

لبنان اور کشمیر کے مناظر ریاست میسور میں

میونسپلٹی کی اس عمارت کی پشت پر کھڑے ہو کر ہم نے قدرتی مناظر اور سلسلۂ کوہ کا دوبارہ نظارہ کیا اور قلب ونظر کو تازگی اور شادابی حاصل ہوئی۔ سفر شروع ہوا تو سرسبز پہاڑ اور ان کی وادیاں، سانپ کی طرح بل کھاتے ہوئے راستے، کہیں لبنان اور کہیں کشمیر کے مناظر کا نمونہ پیش کرتے تھے راستہ میں ایک جگہ ایک دوکان کے اندر جو بر سر راہ تھی مغرب کی نماز جماعت سے پڑھی گئی پھر قافلہ روانہ ہو گیا۔

منگلور میں آمد

مغرب کے بعد ذرا تاخیر سے ہم لوگ منگلور پہونچے جو ایک بڑا پر رونق اور ترقی یافتہ شہر ہے۔ ساحل سمندر پر ہے اس لئے موسم ذرا مرطوب اور گرم تھا۔ ہمارا قیام شہر کے ایک بڑے ہوٹل میں جو عمارات اور اپنے انتظام کے لحاظ سے جرمنی اور فرانس کے دوسرے نمبر کے ہوٹلوں سے کم نہیں معلوم ہوتا تھا، ہوا۔ ہوٹل میں کچھ دیر ٹھہر کر ہم لوگ میونسپل ہال میں آئے یہ ہال نہایت شاندار خوبصورت اور وسیع ہے، لکھنؤ، کانپور، الہ آباد جیسے شہروں میں بھی کوئی پبلک ہال میں نے اتنا خوبصورت اور جدید طرز کا نہیں دیکھا۔ منگلور، مدراس کرناٹک کا ایک حصہ ہے یہ پہلا مقام تھا جہاں معلوم ہوا کہ اردو عام طور پر نہیں سمجھی جاتی البتہ بھٹکل کے مسلمان جن کی یہاں بڑی آبادی ہے اور جن کی اردو کے ساتھ دلچسپی مشہور و معروف ہے نہ صرف اردو سمجھتے ہیں بلکہ اردو ہی سے ان کو ذوق ہے۔

ڈاکٹر سیّد محمود صاحب کی انگریزی تقریر

جلسہ میں ڈاکٹر سیّد محمود صاحب، مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب، ملا جان محمد صاحب، راقم سطور اور ابراہیم سلیمان صاحب نے تقریریں کیں۔ ڈاکٹر صاحب نے انگریزی میں تقریر کی جس میں حسب معمول ہندو مسلم اتحاد و اعتماد کی دعوت دی، جنوبی ہند کے خوشگوار اور باہمی تعلقات کی تعریف کی اور اہل شہر کے پرخلوص خیر مقدم کا شکریہ ادا کیا۔

ملاّ جان محمد صاحب کی پُراثر اور ولولہ انگیز تقریر

ملا جان محمد صاحب کی تقریر عام طور پر سامعین میں بڑی دلچسپی پیدا کر دیتی ہے۔ وہ کہن سال مگر جواں ہمّت بزرگ ہیں۔ ۷۰، ۷۵ کا سن وسال اور جوانوں کا دم خم، تحریک خلافت کی جیتی جاگتی یادگار اور اس کی زندہ تاریخ عام طور پر وہ کھڑے ہوتے ہی نعرۂ تکبیر کی فرمائش کرتے جس سے ان کے خون میں حرارت اور زبان میں طاقت پیدا ہوتی اور جلسہ میں زندگی کی ایک لہر دوڑ جاتی، ان کی تقریروں کا ایک اہم اور عام مضمون یہ ہوتا کہ مسلمانوں نے ملک کی بیداری اور وطن کی آزادی میں کیا بنیادی اور انقلاب انگیز پارٹ ادا کیا۔ وہ ایک چشم دید گواہ اور ایک معاصر کردار کے اعتماد کے ساتھ یہ بیان کرتے کہ ہندوستان کی سیاسی کانفرنسیں اور خود انڈین نیشنل کانگریس کے سالانہ اجلاس مسلمانوں کی شرکت سے پہلے کیسے سونے اور پھیکے ہوتے تھے، بعض وقت دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا کہ وہ کوئی ماتمی مجلس ہے جس میں سب افسردہ اور اداس بیٹھے ہیں لیکن علی برادران کی شرکت نے اچانک ان میں زندگی کی روح پھونک دی اور ہندوستان کی سیاسی دنیا میں ایک نیا جوش، نیا ولولہ اور نئی ہل چل پیدا ہوگئی گویا وہ اصغر کے اس شعر کے مضمون کو اپنی تقریر میں بیان کرتے تھے کہ ؎

شورش عندلیب نے روح چمن میں پھونک دی
ورنہ یہاں کلی کلی مست تھی خواب نازمیں

وہ ترک موالات کی تاریخ بیان کرتے اور بتاتے کہ کس طرح علی برادران اور مولانا آزاد کے اس تحریک کی قیادت سنبھال لینے سے اور اس کو دینی اسلامی رنگ میں پیش کرنے سے ملک کی ایک انقلابی تحریک بن گئی اور اس نے انگریزی حکومت کی چولیں ہلا دیں، پھر وہ آنے والے الیکشن کا ذکر کرتے اور اکثر اس کو کالرا یا جنگی بخار سے تشبیہہ دیتے اور بتاتے کہ کس طرح مختلف سیاسی پارٹیاں اور ان کے لیڈر اس موقعہ پر ضمیر کا سودا کرنے آئیں گے اور کیسے کیسے سبز باغ دکھائیں گے وہ مسلمانوں کو اس موقعہ پر

ثابت قدم رہنے اور اپنے حق انتخاب کو صحیح طور پر استعمال کرنے اور اس بارے میں مسلم مجلس مشاورت پر کلی طور پر اعتماد کرنے اور اس کی رہنمائی میں چلنے کی تلقین کرتے وہ اپنی تقریر کا ہمیشہ اختتام اقبال کے اس مشہور مصرعہ پر کرتے۔ ؎

ہوتا ہے جادہ پیماں پھر کارواں ہمارا

وہ اس لحاظ سے بہت بامعنی اور برمحل ہوتا کہ بالعموم ان تقریروں کے بعد یہ کارواں اپنے سفر پر روانہ ہوجاتا۔

مگر کلیوں کو اس گلزار میں کھلنا ہی پڑتا ہے

مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب بالعموم مجلس مشاورت کی تشکیل، اس کے قیام کے محرکات، موجبات پر روشنی ڈالتے۔ مسلمانوں کو اعتماد و اتحاد کی تلقین فرماتے اور ان کو ملک کے ناشدنی واقعات، ناموافق حالات، مخالفتوں اور بدگمانیوں اور وقت کی مشکلات و دشواریوں کا پامردی، ہمت اور صحتمند و تعمیری نقطۂ نظر سے مقابلہ کرنے کی دعوت دیتے۔ ان کی تقریروں کی بڑی خوبی یہ تھی کہ اس میں رجائیت (امید) اور ہندوستان کے مستقبل کا روشن اور درخشاں پہلو غالب رہتا تھا۔ وہ اکثر فرماتے تھے کہ زندگی میں اور خصوصیت کے ساتھ اتنے وسیع ملک میں مصائب و مشکلات کا آنا قدرتی ہے ان سے نہ ہراساں ہونا چاہیئے۔ نہ مایوس۔ وہ اکثر اپنی تقریر کو اکبر کے ان دو شعروں پر ختم کرتے جو زخمی دلوں اور مرجھائی ہوئی کلیوں کو زندگی اور بہار کا پیام دیتے ہیں

خزاں آتی ہی ہے اور خاک میں ملنا ہی پڑتا ہے
مگر کلیوں کو اس گلزار میں کھلنا ہی پڑتا ہے
جگر کو زخم سے زخموں کو آہوں سے بچاتا ہوں
مگر ہوتے ہی ہیں زخم اور انھیں جھیلنا ہی پڑتا ہے

کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے

اس موقع پر ابراہیم سلیمان سیٹھ صاحب نے

بھی تقریر کی وہ اکثر اپنی تقریر کی ابتداء اقبال کے اس شعر سے کیا کرتے تھے۔

کتاب ملت بیضا کی پھر شیرازہ بندی ہے
یہ شاخ ہاشمی کرنے کو ہے پھر برگ و بر پیدا

اس شعر سے ان کی تقریر کی روح اور مضمون کا اندازہ ہو سکتا ہے۔

ہاسن میں پر جوش و پر تکلف استقبال

۱۵ر نومبر کو شنبہ کے دن چائے ناشتہ سے فارغ ہو کر ہم لوگ ہاسن کی طرف روانہ ہوئے اسی راستے میں ایک مقام آیا جس کا نام یاد نہیں رہا۔ میونسپلٹی کے شاندار ہال کے سامنے برآمدے میں ارکان وفد کا استقبال ہوا۔ ہر رکن کے نام کے ساتھ اس کے گلے میں ہار ڈالا جاتا اور ایک یا دو موزوں شعر پڑھے جاتے جو اسی موقعہ کے لئے کہے گئے تھے۔ اور جس میں اس مہمان کی کسی خصوصیت یا اس کی نام شہرت کا تذکرہ ہوتا۔ میں یہ لکھنا بھول گیا کہ اس استقبال، خیر مقدمی سپاسناموں اور استقبالیہ نظموں میں بالعموم پنڈت سندر لال اور ڈاکٹر عبد الجلیل فریدی کا بھی نام ہوتا مگر افسوس کہ ان دونوں حضرات کا سفر عین وقت پر ملتوی ہو گیا اور وہ لوگ اس جوش و خلوص کو نہ دیکھ سکے جس کا ان لوگوں کے لئے اظہار کیا گیا تھا۔ ہم لوگوں نے اس میونسپل ہال میں جو ہمارے یہاں کے اگر کسی بڑے شہر میں بھی ہو تو اس کے شایان شان ہے ظہر کی نماز ادا کی اور اپنی منزل کی طرف روانہ ہوئے۔

سینما ہال میں میری تقریر

عصر کے وقت ہاسن پہونچ گئے اس قصبہ میں متعدد احباب ایسے ملے جو ہم لوگوں کی تصنیفات و رسائل پڑھ چکے تھے اور تبلیغی جماعت سے بھی رابطہ رکھتے تھے۔ یہ ایک پرسکون اور تعلیم یافتہ قصبہ ہے۔ فضا ابر آلود تھی اور کسی کسی وقت قطرہ افشانی بھی ہوتی تھی۔ اس لئے باہر جلسہ کا انتظام ممکن نہ تھا۔ منتظمین نے ایک سینما کے مالک کو اس پر راضی کر لیا کہ اس دن کا شو بند کر دیا جائے اور اس کے ہال میں جلسہ ہوا۔ یہ ہم میں سے بہت سے لوگوں کے لئے پہلا

اتفاق تھا کہ اس تفریح گاہ میں حق و سنجیدگی کی صدا بلند کریں، عشاء کے بعد جلسہ شروع ہوا. وسیع ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا. پہلے مولانا ابواللیث صاحب نے تقریر کی جس میں مجلس کے قیام کی تاریخ اور اسباب پر روشنی ڈالی، ان کی تقریر بالعموم پر مغز اور فکر انگیز ہوتی ہے لوگوں نے سکون اور دلچسپی کے ساتھ سُنی. راقم بہت تھکا ہوا تھا اس لئے اس کو جلد تقریر کا موقع دیا گیا تاکہ وہ واپس آکر آرام کر سکے. اس تقریر کا خاص مضمون یہ تھا کہ آج حکومتوں اور سیاسی پارٹیوں کی ساری دنیا میں جنگ و کش مکش صرف اس بات کے لئے ہے کہ اپنے ملک میں اقتدار اور سربراہی کس کو حاصل ہو. نہ کوئی حکومت و ملک اور نہ کوئی سیاسی پارٹی اور جماعت اس لئے میدان میں آتی اور کشمکش کرتی ہے کہ حق و صداقت اور نیکی و راستی کی فتح ہو برائیاں اور گناہ بند ہوں اور نیکی و خدا ترسی کا دور دورہ ہو. لوگوں کے اخلاق درست ہوں، گناہ اور معصیت کا رجحان ختم ہو، منشیات اور فسق و فجور کا چلن بند ہو اور ظلم و پاپ کا خاتمہ ہو، بلکہ ساری جنگ اور کشمکش اس لئے ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے وہ ہماری نگرانی اور سرپرستی اور ہمارے انتظام اور ماتحتی میں ہو، گویا صورت حال کا تبدیل کرنا اور فساد کے بجائے صلاح کا پیدا کرنا کسی کا بھی مقصود نہیں. سب کے دل کی آواز یہ ہے کہ جو کچھ ہو رہا ہے جوں کا توں رہے صرف اتنا ہو کہ ہمارے ماتحت ہو. یورپ کی دو بڑی جنگیں اور ہندوستان کے تین انتخابات سب اسی نظریے اور جذبہ کے ماتحت ہوئے. کانگریس کی تاریخ، اس کے گذشتہ قائدین کے عزائم و افکار کی وجہ سے اسی سے سب سے زیادہ اس کی امید تھی کہ وہ ایک با اصول، تعمیر پسند، معلم اخلاق، اصلاحی و تعمیری جماعت ثابت ہوگی اور اس کے دور حکومت میں اس ملک کا رخ شر سے خیر کی طرف فساد سے صلاح کی طرف، خود غرضی اور خود پرستی سے ایثار و خلائق دوستی کی طرف پلٹ جائے گا. لیکن وہ بھی اسی ذہنیت کا شکار ہوگئی جو تمام سیاسی جماعتوں کا پرانا اور دائمی مرض ہے یعنی اندرونی انتشار، مفاد پرستی، جنبہ داری، احباب و اقربا نوازی، سیاسی جوڑ توڑ، اور ہر مسئلہ و معاملہ کو آنے والے الیکشن کے نقطۂ نظر سے دیکھنا اور جانچنا اور ہر اصول کو الیکشن کے موہوم

مفاد پر قربان کر دینا قرآن مجید میں ایک کردار بیان کیا گیا ہے جس کی صفت یہ ہے کہ دنیا سے تعلق رکھنے والے مسائل اور مفاد کے بارے میں وہ ایسا انسان اور چرب زبان واقع ہوا ہے کہ اچھا خاصہ آدمی اس کے حسن تقریر سے مسحور ہو جائے، اس کو بڑے پکے وعدے کرنے اور قسمیں کھانے میں بھی باک نہیں لیکن اس کی حالت یہ ہے کہ جب اس کو سیاہ سپید کرنے کا اختیار اور کسی حصۂ زمین پر اقتدار حاصل ہوتا ہے تو اس کی تمام مساعی صلاحیتیں تخریب و فساد میں کام آتی ہیں بڑے بڑے پیمانہ پر خونریزی اور فساد ہوتا ہے اور وہ اپنے وعدوں کو بالکل بھول جاتا ہے۔" ومن الناس من یعجبک قولہ فی الحیاۃ الدنیا ویشہد اللہ علیٰ ما فی قلبہ وھو الد الخصام واذا تولیٰ سعیٰ فی الارض لیفسد فیہا ویہلک الحرث والنسل واللہ لا یحب الفساد۔" اس آیت کا اعجاز یہ ہے کہ یہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے نازل ہوئی لیکن وہ آج بھی ایک زندہ حقیقت ہے اور بہت سے چہروں کی نقاب کشائی کرتی ہے، آج ہماری تمام انتخابی کشمکش اور ساری سیاسی تگ و دو میں اصول پسندی، حق پرستی، انسان دوستی، کی کمی ہے، مسلمانوں کے سامنے خصوصیت کے ساتھ یہی اخلاقی معیار اور یہی آسمانی اصول ہونا چاہیئے اور ان کو ہر فیصلہ اور انتخاب کے موقع پر اسی حقیقت کو دیکھنا چاہیئے۔

شموگا

۱۶ نومبر چہارشنبہ کو ہاسن سے شموگا کی طرف روانہ ہوئے ظہر کے وقت وہاں پہونچے۔ معلوم ہوا کہ جلوس اور استقبال کی بڑی تیاریاں ہیں، ہم تین آدمی راقم السطور، مولانا منظور صاحب، مولانا ابو اللیث صاحب کسی نہ کسی طرح اس اژدہام سے نکل کر قیام گاہ تک پہونچنے میں کامیاب ہو گئے، قیام کا انتظام سرکٹ ہاؤس میں کیا گیا تھا۔ قدیم ریاست میسور کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہاں ہر قصبہ میں بالعموم اور شہروں میں بالخصوص، بہت شاندار اور وسیع میونسپل ہال اور بہت خوبصورت صحت افزا اور خوش وضع گسٹ ہاؤس (سرکاری مہمان خانہ GUEST HOUSE) اور ریسٹ ہاؤس (سرکاری فرودگاہیں) (REST HOUSE) بنی ہوتی ہیں۔ میں نے شمالی ہند کے بڑے بڑے

شہروں اور ضلع کے صدر مقام میں بھی اتنے اچھے انتظامات نہیں دیکھے یہ غالباً سر مرزا اسمٰعیل کے مذاق سلیم اور حسن انتظام کا نتیجہ ہے جن کے دورِ وزارت کی نشانیاں میسور کے چپہ چپہ پر موجود ہیں اور اہلِ میسور بلا تفریق مذہب و ملت اُن کا نام عزت سے لیتے ہیں۔

شموگا کا فرحت افزا اور نشاط افروز ریسٹ ہاؤس

ہم لوگوں کے کھانے کا انتظام اس سرکٹ ہاؤس میں تھا اور قیام یہاں سے ۲۰ میل کے فاصلے پر اس ریسٹ ہاؤس میں جو ایک نہایت پر فضا مقام پر واقع ہے اور باہر کے سیاحوں اور دورہ کرتے والے افسروں کی فرودگاہ ہے یہ ریسٹ ہاؤس گاجنور میں واقع ہے یہاں تنگا ندی کا بندھ باندھا گیا ہے آس پاس کے پہاڑ قدرتی شیشے کا کام دیتے ہیں اور ان سے پورا فائدہ اٹھایا گیا ہے۔ یہ مقام نہایت فرحت افزا اور نشاط افروز ہے دونوں جگہ کا فاصلہ طے کرتے کے لئے موٹروں کا انتظام تھا اور ہم لوگوں کو کوئی دقت پیش نہیں آئی۔

این ایم انور صاحب کی قادر الکلامی

شیموگا بہت پر رونق شہر اور آباد بستی ہے آبادی غالباً ایک لاکھ ہے جس میں ۲۶ ہزار مسلمان ہیں۔ رات کو میدان میں بہت بڑا جلسہ ہوا جس میں وفد کے قائد ڈاکٹر سید محمود صاحب، ملا جان محمد صاحب، مولانا محمد منظور صاحب نے اردو میں اور این. ایم انور صاحب نے انگریزی میں تقریر کی۔ ملا جان صاحب کی تقریر یہاں بڑی مؤثر اور دلنشین تھی، مولانا محمد منظور صاحب نے حسب معمول دعوتِ فکر و عمل دی اور بہت سے اہم حقائق بیان کئے۔ این. ایم انور صاحب کے متعلق ہمارے بہت سے قارئین کو علم نہ ہوگا کہ وہ انگریزی کے بڑے قادر الکلام اور پر جوش مقرر ہیں، میرے علم میں مسلمانوں میں انگریزی میں ان کی ٹکر کے کم مقررین ہوں گے اگر ان کے فکر و نظر میں مزید گہرائی ان کے مطالعۂ اسلامیات میں مزید وسعت اور مسلمانوں کے مسائل و احساسات پیش کرنے کی مزید قوت پیدا ہو جائے تو وہ انگریزی میں مسلمانوں کے نقطۂ نظر کے بہترین

ترجمان اور مؤثر وکیل بن سکتے ہیں۔ ارکان وفد کی تقریروں کے بعد صدر جلسہ نے جو ضلع کے ایک نامور غیر مسلم ایڈووکیٹ ہیں انگریزی میں تقریر کی جو تقریباً پون گھنٹہ پوری روانی اور طلاقتِ لسانی کے ساتھ جاری رہی اس میں علم و فلسفہ کی بھی آمیزش تھی اور سیاست کی بھی میرے خیال میں مختلف اسباب کی بنا پر جنوبی ہند کے لوگوں کو انگریزی میں اظہارِ خیال کرنے پر زیادہ قدرت اور عادت ہے۔

شیموگا کی مصروفیتیں اور جلسے

۱۷ نومبر کی صبح کو شیموگا میں ایک عربی کے مدرسے میں جو وہاں کے مسلمانوں نے حال میں قائم کیا ہے کچھ دیر شرکت اور خطاب کرنے کا موقع ملا پھر ہم لوگ ذرا دیر سے ہبلی کے لئے روانہ ہوئے جہاں کا آج پروگرام تھا۔ راستے میں دو تین مقامات پر استقبال اور خیر مقدم کی رسید دیتے ہوئے اور شکریہ ادا کرتے ہوئے ہم لوگ آگے بڑھ گئے آج کی مسافت بھی زیادہ تھی عصر کی نماز کے وقت ہبلی پہونچے اور اشوک ہوٹل میں قیام ہوا جو ایک شاندار اور آرام دہ ہوٹل ہے۔ یہ شہر بھی بڑا ترقی یافتہ متمدن اور صاف ستھرا ہے۔ ارکان وفد کا بڑا طویل جلوس نکالا گیا جس میں موٹروں کی طویل قطار کے ساتھ ساتھ متعدد ہاتھی بھی تھے، رات کو ارکان کی ایک بڑی جماعت دھاڑ واڑ گئی جو ضلع کا صدر مقام ہے اور غالباً ہبلی سے ۸-۱۰ میل کے فاصلے پر ہے یہاں ایک جلسہ تیار تھا جس میں ڈاکٹر سید محمود صاحب اور این ایم انور صاحب نے انگریزی میں تقریریں کیں بعد میں ایک معمر ہندو وکیل پاٹل صاحب نے انگریزی میں ایک طویل تقریر کی جس میں کانگریس کی پالیسی پر تنقید اور مسلمانوں کے ساتھ مخلصانہ ہمدردی کا اظہار کیا اور ان کو کچھ مخلصانہ مشورہ دیئے ان صاحب کا تعلق غالباً سوتنتر پارٹی سے تھا جلسے کے بعد ہم لوگوں نے وہیں کھانے سے فراغت حاصل کی۔

مولانا منظور نعمانی صاحب کی پرجوش تقریر

ہبلی کے جلسے میں تاخیر ہو رہی تھی اس لئے وہاں ٹیلی فون کر دیا گیا کہ جلسہ شروع کر دیا جائے اور مولانا محمد منظور صاحب اور مولانا ابو اللیث صاحب

(جو وہیں رہ گئے تھے) جلسہ کا آغاز فرمائیں۔ ہم لوگ آئے تو وسیع میونسپل ہال کھچا کھچ بھرا ہوا تھا اور مولانا منظور صاحب پورے جوش کے ساتھ تقریر فرما رہے تھے اس تقریر میں انھوں نے خاص طور پر مجلس مشاورت کے قیام پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور بتایا کہ کون کون سے عناصر اس میں شامل ہوئے پھر بعض عناصر کس طرح علیحدہ ہوئے اس کا پس منظر کیا ہے۔

بلگام کی طرف

۱۰ر نومبر کو دن ہمارا قافلہ بلگام کے لئے روانہ ہوا، یہ ذکر کرنا بھول گیا کہ چونکہ یہ سفر بہت طویل ہوتا تھا، مخصوص بس تھی اور اس کے اندر اپنا پورا ماحول قائم ہوتا تھا۔ اس لئے راستے میں مذاکرہ اور ایک دوسرے سے تعارف اور استفادہ کا سلسلہ جاری رہتا تھا، مقامی احباب اپنی نشستیں بدلتے رہتے تھے اور ارکان وفد کے ساتھ دیر تک بیٹھ کر مختلف موضوعوں پر گفت گو کرتے تھے۔ ان میں خاص طور پر مولوی سراج الحسن صاحب امیر جماعت اسلامی ریاست میسور، سید جمال احمد صاحب امین آبادی ناظم جماعت اسلامی بنگلور سرکل، دست گیر صاحب، اورٹی۔ امیر احمد آفتاب اور ان کے والد ٹی۔ محمد خلیل زعیم جو ایک اہل حدیث عالم اور بہت اچھے شاعر ہیں خاص طور پر پاس آ کر بیٹھ جاتے اور وقت بہت اچھا گذرتا۔

چلتی پھرتی ادبی و شعری مجلسیں

میں اپنے تاریخی ذوق کی بنا پر مولوی سراج الحسن صاحب سے جنوبی ہند کی اسلامی تاریخ اور اس کی مختلف حکومتوں کے متعلق معلومات حاصل کرتا ان کا تاریخی مطالعہ بڑا اچھا ہے۔ میر جعفر علی صاحب جو علی گڑھ کے گریجویٹ اور اردو فارسی کا بڑا اچھا ذوق رکھنے والے ہیں، بڑا وقت میرے ساتھ صرف کرتے۔ ایک مرتبہ وہ کلیاتِ اقبال لے کر میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ سُنا ہے کہ آپ کو اقبال کے کلام سے بڑا شغف ہے اگر اجازت ہو تو میں کچھ سُناؤں۔ میرے ایما پر انھوں نے بڑے ترنم اور جوش کے ساتھ اقبالؔ کی یہ نظم پڑھی جس کا مطلع ہے ؏

—

گیسوئے تابدار کو اور بھی تابدار کر
ہوش و خرد شکار کر قلب و نظر شکار کر

اس کے دوسرے شعر نے بڑا لطف دیا ؎

تو ہے محیطِ بے کراں میں ہوں ذرا سی آب جو
یا مجھے ہم کنار کر یا مجھے بے کنار کر

میرے پسندیدہ اشعار

ان کی اس نغمہ سرائی نے "بس" کے غیر موزوں شور میں ایک ادبی مجلس کی فضا پیدا کر دی جب وہ سنا کر فارغ ہوئے تو میں نے کہا کہ آپ میری بھی کچھ پسندیدہ نظمیں سنائیے۔ میں نے پہلے اس نظم کی فرمائش کی جس سے کئی بار دار العلوم ندوۃ العلماء کی مجلسوں کا افتتاح کیا گیا۔

؎ یہ پیام دے گئی ہے مجھے بادِ صبح گاہی
کہ خودی کے عارفوں کا ہے مقام پادشاہی

انھوں نے جب آخری یہ دو شعر پڑھے تو برمحل اور مناسب حال ہونے کی وجہ سے عجیب کیفیت ہوئی ؎

تو ہما کا ہے شکاری ابھی ابتدا ہے تیری
نہیں مصلحت سے خالی یہ جہان مرغ و ماہی
تو عرب ہو یا عجم ہو تیرا لا الٰہ الا
لغتِ غریب جب تک ترا دل نہ دے گواہی

نیز ان کی یہ غزل ہے ؏

ہر شئے مسافر ہر چیز راہی   کیا چاند تارے کیا مرغ و ماہی

اس نظم کے یہ دو شعر جب پڑھے گئے تو معلوم ہوا کہ جیسے شاعرِ مسلمان اور ملّتِ اسلامیہ کے نمایندوں کو خطاب کر کے کہہ رہا ہے ؎

کچھ قدر تو نے اپنی نہ جانی
یہ بے سوادی، یہ کم نگاہی
دنیائے دوں کی کب تک غلامی
یا راہبی کر یا پادشاہی

غرض یہ وقت رفقار کے حسن ذوق اور لطف صحبت کی وجہ سے بڑا اچھا گزرتا اور طویل سفر سے جو بعض اوقات دن دن بھر ہوتا وہ اکتاہٹ اور ملال خاطر نہ ہوتا جو ایسے طویل سفروں کا خاصہ ہے۔

مولانا ابواللیث صاحب اور دوسرے اصحاب کی تقریریں

جمعہ کی نماز سے بیشتر ہم بلگام پہونچے، ارکان وفد کا ایک طویل جلوس نکالا گیا جو جامع مسجد ختم ہوا جمعہ کے بعد بھی ایک مختصر سی تقریر ہوئی اور ہم لوگ کھانے سے فارغ ہو کر اپنی قیام گاہ پر جو رسٹ ہاؤس میں تھی پہونچے، عصر بعد اسلامیہ اسکول میں ڈاکٹر صاحب اور ان کے رفقار کو عصرانہ دیا گیا اور خیر مقدمی تقریریں ہوئیں۔ رات کو کھلے میدان میں جلسہ ہوا جس میں مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی، راقم سطور اور سید منظہر امام صاحب سکریٹری مسلم مجلس مشاورت نے تقریریں کیں۔ مولانا منظور صاحب اس شب میں بعض مجبوریوں کی بنائپر لکھنؤ کے لئے روانہ ہو گئے۔

بلگام میں دارالعلوم کا سالانہ جلسہ

اسی بلگام میں آج سے ۴۸ برس پہلے ۱۹، ۲۰، ۲۱ اپریل ۱۹۱۹ء میں ندوۃ العلماء کا شاندار اجلاس ہوا جس کے دیکھنے والے ابھی موجود ہیں اور جس کی یاد ابھی تک لوگوں کے حافظے سے محو نہیں ہوئی ہے۔ اس جلسے میں شرکت کے لئے جو عمائد علماء باہر سے آئے تھے ان کی تعداد سات سو تھی جلسہ کی صدارت مولانا سر رحیم بخش صاحب صدر کونسل بھاولپور کو کرنی تھی لیکن وہ بعض مجبوریوں کی بناء پر عین وقت پر نہ تشریف لا سکے خطبۂ صدارت بھی تاخیر سے پہونچا اس کی

قائم مقامی جناب مولٰینا سیّد سلیمان صاحب ندویؒ نے کی جو اس وقت کے نوجوان لیکن نامور عالم تھے۔ صدر استقبالیہ آنریبل خاں بہادر سیٹھ ابراہیم ہارون جعفر صاحب رئیس پونا تھے، والد ماجد مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ نے بحیثیت ناظم ندوہ سالانہ رپورٹ پڑھی۔

بلگام پر اجمالی نظر وہیں پر یہ خیال آیا کہ اپنے یگانہ تاریخی ذوق اور واقفیت کی بنا پر ان کے مضمون میں بلگام کے متعلق چیدہ تاریخی معلومات مل جائیں گی اور مجھے تاریخ کے سیکڑوں صفحات الٹنے کی ضرورت نہ ہوگی لکھنؤ واپس آکر اجلاس بلگام کی روئیداد نکالی اور یہ توقع پورے طور پر پوری ہوئی یہاں پر اس کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے جس سے بلگام کی تاریخی اہمیت اور عظمت پر روشنی پڑتی ہے۔

"نواب اسعد خاں لاری کے نام سے اب بہت کم لوگ واقف ہوں گے وہ اور اس کی اولاد زمانۂ دراز تک شاہان بیجاپور کے سایۂ عاطفت میں بلگام کے جاگیر دار کی حیثیت سے اس سرزمین میں فرمانروائی کرتے رہے ہیں"۔

بلگام کا عالی شان قلعہ (جس کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈر اب تک باقی ہیں) اسی اسعد خاں نے ۸۹۱ھ میں یوسف عادل شاہ بیجاپوری کے حکم سے تعمیر کیا تھا، اس کا اصلی نام خسرو تھا۔

۹۰۰ھ میں بیجاپور کے محاصرہ کے وقت خسرو نے ایسے کارنامے دکھائے کہ اس کے صلے میں اسمٰعیل عادل شاہ نے اسعد خاں کا خطاب اور بلگام اس کی جاگیر میں عنایت کیا۔ علاوہ علمی قابلیت کے اسعد خاں میں دانشمندی، فراست، سخاوت شجاعت اور تمام اخلاق حمیدہ خدا نے مجتمع فرما دیئے تھے۔ ۴۳ برس تک اس نے شاہانِ بیجاپور کی وزارت و وکالت کے فرائض انجام دیئے اور اپنی سیر چشمی و فیاضی تدبر و دانشمندی سے بلگام کو بڑے بڑے متمدن شہروں کا ہمسر کردیا ہے

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں
لیکن اب نقش و نگار طاق نسیاں ہو گئیں

عالمگیر مرحوم نے بیجاپور کو فتح کرنے کے بعد بلگام کو ۱۰۹۹ھ میں ممالک محروسہ میں شریک کر لیا چونکہ بلگام کا قلعہ شاہزادہ محمد اعظم نے فتح کیا تھا اس مناسبت سے اس کا نام اعظم نگر قرار پایا۔ نواب سیف خاں اس کے قلعہ دار مقرر کئے گئے

بیجاپور کا تعارف

۱۹ نومبر ہفتہ کو ہم بیجاپور کے تاریخی اور باعظمت شہر کی طرف سفر کر رہے تھے۔ بیجاپور سے لیکر گلبرگہ تک بلکہ آگے بیدر اور ایک طرف گولکنڈہ تک یہ جنوبی خطّہ ہندوستان کے مسلمانوں کے دور کی تاریخ میں خاصی اہمیت اور عظمت رکھتا ہے اور شمالی ہند کے اہل علم بھی بہت کم اس سے واقفیت رکھتے ہیں اس لئے بیجاپور پہونچنے سے پہلے ہم اس کا ایک مختصر سا تعارف کرا دینا چاہتے ہیں۔

عام طور پر ہر ملک کی تاریخیں مرکزی سلطنت اور دارالسلطنت اور اس سے تعلق رکھنے والے مقامات اور واقعات کے گرد گھومتی ہیں اور صرف ہندوستان نہیں بلکہ دنیا کے اکثر ملکوں میں اطراف ممالک اور دور دراز کی علاقائی خود مختار حکومتوں کو یا تو سرے سے نظر انداز کیا گیا ہے یا ان کی حق تلفی کی گئی ہے ہندوستان کی مرکزی سلطنت دہلی کو فیروز تغلق کے بعد جب زوال آیا تو ہندوستان کے صوبوں میں جا بجا خود مختار حکومتیں قائم ہوئیں انھوں نے ایک ایک صدی اور بعض اوقات کئی کئی صدیوں تک علم و تہذیب، تمدن و تعمیر اور شاہانہ جاہ و جلال کا چراغ بڑی آب و تاب کے ساتھ روشن رکھا اور بعض اوقات دہلی سے ہمسری کی، گجرات، مانڈو، جونپور اور جنوب میں گلبرگہ کی بہمنی سلطنت بڑی شان و شوکت کی حکومتیں تھیں۔ بہمنی سلطنت کو جب ڈیڑھ سو برس کے بعد زوال آیا جس نے جنوب میں ایک شہنشاہی ایمپائر کی سی شکل اختیار کر لی تھی تو اسی طرح سے جنوب میں پانچ خود مختار حکومتیں

قائم ہوگئیں، جیسے مرکز کی کمزوری کے خود بہمنی اور اس کی معاصر سلطنتیں قائم ہوئی تھیں یہ بیدر کی برید شاہی، بیجاپور کی عادل شاہی، گولکنڈہ کی قطب شاہی، احمد نگر کی نظام شاہی، اور برار کی عماد شاہی حکومت تھی۔

بیجاپور کی خود مختار سلطنت کی بنیاد یوسف عادل شاہ کے ہاتھوں ۸۹۶ھ میں پڑی اس کے بعد یکے بعد دیگرے اس خاندان کے بادشاہ تخت سلطنت پر آتے رہے یہاں تک کہ پورے دوسو برس کے بعد ۱۰۹۶ھ (۱۶۸۶ء) میں سلطان اورنگ زیب کے مضبوط ہاتھوں سے اس کا مرکزی سلطنت مغلیہ سے الحاق ہو گیا۔ اس حکومت کے زمانہ میں بیجاپور نہ صرف جنوبی ہند بلکہ ہندوستان کا ایک نہایت پر رونق و باعظمت شہر بن گیا۔ محمد قاسم فرشتہ نے جو خود بیجاپور کا رہنے والا تھا اور جس کی نسبت سے تاریخ فرشتہ نے شہرتِ عام حاصل کی ہے۔ اس کی وسعت و عظمت کا جو حال بیان کیا ہے اس میں سے اگر مبالغہ کا حق نکال بھی دیا جائے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ دسویں اور گیارھویں صدی کا ایک ممتاز ترین شہر اور تمدن و تہذیب اور صنعت و تجارت کا ایک اہم مرکز تھا، وہاں مساجد کی کثرت (جن کی تعداد اب بھی پانچ سو بتائی جاتی ہے) جامع مسجد کی وسعت تاریخی آثار کی عظمت سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ عادل شاہیوں کو تعمیر کا بڑا پاکیزہ ذوق تھا اور اس میں وہ مجتہدانہ شان رکھتے تھے۔ محمد عادل شاہ کو اس خاندان کا شاہجہاں کہنا غلط نہ ہوگا۔ ان پانچوں خاندانوں نے اپنی انتظامی صلاحیت، ذہانت اور دماغی اپج کا بڑا روشن ثبوت دیا ہے یہ بات بھی بڑی سبق آموز اور فکر انگیز ہے کہ ان میں سے اکثر خاندان (اگرچہ ان کو عربی النسل یا ترکی الاصل ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے) اصلاً خالص ہندوستانی نسل کے تھے اور ان کے مورث و اجداد نے اسلام قبول کیا تھا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام اپنے حلقہ بگوشوں میں کیسا اعتماد و ایمان پیدا کر دیتا ہے اور ان کی نسلی صلاحیتوں اور فطری جوہر کو

کیسے چمکا دیتا ہے۔

ہم بیجاپور کی طرف بڑھ رہے تھے، ہمارے مقامی احباب نے متوجہ کیا کہ آپ بیجا پور سے جتنے قریب ہوتے جائیں گے آپ کو لباس و معاشرت میں کچھ فرق محسوس ہوگا۔ چنانچہ یہ بات ہم نے خاص طور پر نوٹ کی، عام طور پر لوگوں کے سروں پر ٹوپیاں نظر آتی تھیں، ہل چلانے والے کسان، محنت کرنے والے مزدور کمسن بچے بھی اس سے مستثنٰی نہ تھے۔

مرزا مغل صاحب سے ملاقات

کچھ دیر کے بعد ایک بستی آئی جس کا نام گوکاک تھا۔ ہمارے ساتھ بلگام ہی سے اس علاقے کے ایک نامور قومی کارکن اور تعلیمی تحریکوں کے روح رواں جناب مرزا مغل صاحب تھے جن کو اس علاقے کا "سرسید" کہا جاتا ہے۔ غالباً ان کا وطن گوکاک ہے ایک مسجد میں ہم سب لوگ جا کر جمع ہوئے وہاں مرزا مغل صاحب نے ہم لوگوں کا استقبال کیا اور اپنے تعلیمی منصوبوں اور اس علاقے کی تعلیمی کوششوں کا ذکر کیا۔

ایک عظیم منصوبہ

اس سلسلے میں انھوں نے بیان کیا کہ یہاں اردو میڈیم اسکول تو پہلے سے موجود ہیں اور اس طرح کے مدرسے بھی کرناٹک میں عام ہیں لیکن یہاں کے لوگوں نے اپنی عالی ہمتی سے ایک زراعتی و دیہی جامعہ (ایورل یونیورسٹی) کی اسکیم بنائی ہے اس کو خود کفیل بنانے کے لئے انھوں نے ایک سیمنٹ فیکٹری قائم کرنے کا منصوبہ بنایا اور اس کے لئے شیئر خریدنے کی اپیل کی۔ انھوں نے بتایا کہ اس وقت تک انھوں نے ۲ دو کروڑ کی رقم فراہم کر لی ہے بقیہ تین ۳ کروڑ کی فراہمی کی کوشش جاری ہے۔

شمالی ہند کے لئے تازیانہ عبرت

جس وقت انھوں نے ۲ دو کروڑ کی رقم کا ذکر کیا ہم سب کے کان کھڑے ہو گئے اور ہم میں سے اکثر کو یہ شبہ کہ ان سے ہندسہ میں غلطی ہو گئی ہے غالباً وہ دو لاکھ کہنا چاہتے ہیں چنانچہ

متعدد رفقاء نے ان کو ٹوکا لیکن انھوں نے اسی کو دہرایا اور ہم لوگ گردابِ حیرت میں ڈوب گئے۔ میرے کانوں کو تو نہیں لیکن دماغ کو اب بھی شبہ ہے لیکن اگر یہ واقعی صحیح ہے تو ہم شمال کے باشندوں کو ضرور سوچنا چاہیئے کہ ہماری تعلّیوں اور لن ترانیوں کے پیچھے عملی حقیقت کتنی موجود ہے پھر ہم کو ہمچوں ما دیگرے نیست کے دعویٰ سے ضرور دستبردار ہونا چاہیئے جو شمال کا عمومی اور اودھ و بہار کا خصوصی مرض ہے کہ ہم کسی چیز میں بھی کسی کو اپنا ہمسر نہیں سمجھتے اور سب کو علم و تہذیب اور قیادت و زعامت میں اپنا دست نگر اور دوسرے تیسرے درجہ کا انسان سمجھتے ہیں۔

گوکاک سے ہم باگل کوٹ آئے جہاں ایک وسیع شامیانہ میں جلسہ کا انتظام تھا اور فراخ دل میزبانوں نے باہر کے تمام شرکائے جلسہ کو کھانے پر مدعو کر رکھا تھا جلسے میں ہم میں سے چند ارکان نے خطاب کیا اور قافلہ آگے بڑھا۔

بیجاپور کے تاریخی آثار کی سیر

اب ہم بیجاپور کی سرحد میں داخل ہو رہے تھے، ہمارا تاریخی شعور بیدار اور یہاں کے تاریخی آثار دیکھنے کے لئے بے چین اور بیقرار تھا۔ رات ہو چکی تھی ایک اچھے خوش سلیقہ گسٹ ہاؤس میں سب نے آرام کیا۔ رات کو جلسہ میں چند مقررین کی تقریریں ہوئیں یہاں بھی ایک غیر مسلم جو غالباً میونسپل چیرمین ہیں نے صدارت کی۔ صبح ہمارا قافلہ تاریخی آثار کے دیکھنے کے لئے روانہ ہوا۔

ہم نے سب سے پہلے بیجاپور کے شہرۂ آفاق گول گنبد کی سیر کی جو ہفت عجائباتِ عالم میں شمار ہوتا ہے اور اس کا مستحق ہے، یہ گنبد محمد عادل شاہ ۱۰۳۵ھ تا ۱۰۵۶ھ کی تعمیر ہے، لوگوں کا بیان ہے کہ روئے زمین پر اتنا بڑا مسقف حصّہ کہیں پایا نہیں جاتا۔ اس کی فنی خصوصیات اور تعمیری انفرادیت کے ذکر کا یہ محل نہیں کہ اس پر مستقل مضامین و رسائل ہیں البتہ جو بات ہم سب کے لئے نئی اور قارئین کے لئے دلچسپ ہے کہ اس میں ایک آواز پر متواتر ۸-۹ کی تعداد میں صدائے بازگشت

پیدا ہوتی ہے، سب سے عجیب چیز یہ ہے کہ اس کے بالائی حصہ کی ایک دیوار کے پاس اگر کانا پھوسی کی جائے یا ماچس جلائی جائے یا کاغذ کی کھڑکھڑاہٹ ہو تو دوسری دیوار کے پاس ۱۲۴ فٹ کے فاصلہ پر وہ آواز اس طرح سُنائی دیتی ہے۔ جیسے میکروفون یا لاؤڈاسپیکر پر مفتی صاحب نے قرآن مجید کی آہستہ سے قرأت کی ایک دوست نے دیا سلائی جلائی اور جیب سے کاغذ نکالا۔ اور ہم نے دوسرے سرے پر اس سے زیادہ بلند آواز سے سُنا جتنا کہ پاس والوں نے سُنا تھا۔ نشر و رفع صورت کی یہ صنعت میں نے پہلی مرتبہ قرطبہ کی جامع مسجد میں دیکھی تھی جہاں محراب میں قرآن شریف پڑھنے سے مسجد کے بعید ترین گوشوں میں بلندی کے ساتھ آواز پہنچتی ہے۔ پھر یہی چیز بیجاپور کی قدیم جامع مسجد اور ابراہیم کے روضہ میں بھی دیکھی، سُنا ہے کہ دہلی کی بھی ایک قدیم مسجد میں یہ صنعت موجود ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ مغلوں کو اپنے اعلیٰ تعمیری ذوق اور اپنے مہندسوں کی قابلیت کے باوجود یہ راز نہیں معلوم ہو سکا۔ ورنہ جامع مسجد شاہجہانی میں آج لاؤڈاسپیکر نصب کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

گول گنبد اور اس کے تاریخی عجائب خانہ کے دیکھنے کے بعد ہم نے ابراہیم کا روضہ دیکھا، جو ابراہیم عادل شاہ ثانی کی تعمیر ہے۔ یہ بادشاہ عادل شاہیوں میں اپنی صحت عقیدہ، استقامت اور حُسن سیرت میں خاص امتیاز رکھتا ہے ۹۹۰ھ سے ۱۰۳۵ھ اس نے حکومت کی۔ اس بادشاہ کو سپہ گری اور جہانداری کے کمالات کے ساتھ شاعری اور موسیقی میں بھی بڑا کمال حاصل تھا۔ محمد قاسم فرشتہ نے اسی کے لئے اپنی مشہور عالم تاریخ گلزار ابراہیمی مشہور بتاریخ فرشتہ تالیف کی۔

یہ مقبرہ بھی اپنی تعمیری خصوصیتوں بالخصوص اپنی سنگی جالیوں، نقاشی اور قرآنی آیات کی خطاطی میں بے نظیر ہے۔ یہاں سے نکل کر ہم نے جامع مسجد، آثار محل، محلات شاہی (جس میں اب سرکاری دفاتر ہیں) اور زنانہ مسجد کی زیارت کی جو بیجاپور کی خصوصیات میں ہیں اور جہاں اب بھی عورتوں کی جماعت و امامت کا سلسلہ جاری ہے۔

دنیا کی بے ثباتی

اس سیر و زیارت سے ہم جسمانی اور دماغی طور پر بہت تھک گئے۔ دنیا کی بے ثباتی، جاہ واقبال کی بے وفائی اور زمانہ کے انقلابات کا نقشہ دیکھ کر سلطنتوں اور جماعتوں وافراد کے اقتدار پر سے بھروسہ اُٹھ گیا۔ اور حقیقت ابدی "كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَيَبْقَىٰ وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلَالِ وَالْإِكْرَامِ" پر ایمان تازہ اور غیب شہود بن گیا حکومتیں خواہ شخصی ہوں یا جمہوری ایک خاندان کی ہوں یا کسی پارٹی کی سب بچوں کا کھیل اور بازی گروں کا تماشا معلوم ہونے لگا ہے ؎

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے ایک وہی باقی بتانِ آزری

تالی کوٹ کا اہم تاریخی مقام

ظہر کی نماز کے بعد روانگی ہوئی عصر کے وقت ہم قصبہ تالی کوٹ پہونچے یہ وہ تاریخی مقام ہے جہاں سنہ ۹۷۲ھ (۲۵ر دسمبر سنہ ۱۵۶۵ء) میں وجیانگر کی عظیم سلطنت اور سلاطین دکن کے درمیان فیصلہ کن جنگ ہوئی تھی جس میں ایک طرف وجیانگر کا مضبوط راجہ رام راج اور دوسری طرف بیجاپور کے علی عادل شاہ، گولکنڈہ کا ابراہیم قطب شاہ، احمد نگر کا حسین نظام شاہ بحری اور بیدر کا علی برید تھا۔ کرشنا ندی کے قریب یہ معرکہ پیش آیا۔ کوٹو کے بیان کے مطابق اس موقعہ پر وجیانگر کی طرف سے چھ لاکھ پیادے اور ایک لاکھ سوار میدان میں آئے تھے۔ فرشتہ نے افواج کی تعداد اس سے زیادہ بیان کی ہے اس جنگ کے نتیجہ میں وجیانگر کی عظیم سلطنت جو تقریباً سات سو برس سے فرمانروائی کر رہی تھی اور جنوب میں ہمیشہ اس کو بالادستی حاصل رہی ختم ہو گئی۔

جنوبی ہند کا پانی پت

تاریخی حیثیت سے اس جنگ کو جنوبی ہند کی جنگ پانی پت کہنا بے جا نہ ہوگا۔ خدا کی شان ہے کہ اب اس قصبے میں ہندو مسلمان مل کر مجلس مشاورت کے وفد کا پر جوش خیر مقدم کر رہے تھے

اور ہندو مسلم اتحاد کے نعرے لگ رہے تھے، ایک مسجد میں عصر کی نماز پڑھی گئی، عصر کے بعد ہندو مسلمانوں کے مجمع کے سامنے صحن مسجد ہی میں چند ارکان وفد نے تقریریں کیں جن میں خود ڈاکٹر صاحب بھی تھے چونکہ آج ۲۰ رنومبر کو جن سنگھ کی طرف سے ہڑتال اور جلسوں کا اعلان تھا۔ اس لئے کسی بڑے شہر میں جلسہ وغیرہ کا پروگرام نہیں رکھا گیا راستے کے ایک قصبہ میں جس کا نام سندھ نور ہے اور جہاں پڑھے لکھے مسلمانوں کی خاصی تعداد ہے ایک مختصر جلسہ اور آرام کرنے کا پروگرام بنایا گیا۔ اب یہاں سے گلبرگہ تک قدیم ریاست حیدرآباد کا علاقہ شروع ہو رہا ہے یہ وہ بدقسمت علاقہ ہے جو پولیس ایکشن کے بدترین مصائب کا شکار ہوا۔ سندھ نور اور اس کے قرب وجوار کی بستیوں پر تو زیادہ زد نہیں پڑی لیکن جتنا آگے بڑھتے جایئے گا مصائب کی داستان زیادہ سُنتے جایئے گا۔

مولوی سراج الحسن صاحب کے وطن میں

۲۱ رنومبر دوشنبہ کو کچھ دیر کے لئے اپنے عزیز رفیق مولوی سراج الحسن صاحب کے وطن جلوہ گرہ میں ٹھہرے اور انھیں کی میزبانی میں ناشتہ کیا۔ حیدرآباد کی تہذیب، زبان، معاشرت اور کھانے یہاں سے شروع ہو گئے ہیں۔ یہاں قصبے کے ہندو راجہ بڑی سادگی اور خلوص کے ساتھ ڈاکٹر صاحب اور ارکان وفد سے ملنے آئے معلوم ہوا کہ یہاں ہندو مسلمانوں کے تعلقات بہت اچھے اور خوشگوار ہیں۔ مولوی سراج الحسن صاحب اور ان کے رفقاء کا اچھا اخلاقی اثر پایا جاتا ہے۔

رائے چور

ظہر کے وقت رائے چور پہونچے یہاں حیدرآباد کا بھی ایک مؤقر وفد اور ریاست کی مجلس مشاورت کے بعض اہم ارکان ملنے اور پروگرام میں شامل ہونے کے لئے آئے ان میں مجلس مشاورت حیدرآباد کے سکریٹری نواب طاہر علی خاں، مولانا قمر فاروقی صاحب، اور لطیفی صاحب خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ایک صاف ستھرے ہوٹل میں وفد کا قیام ہوا، رات کو حسب معمول جلسہ ہوا جس میں شرکاء کی بڑی تعداد تھی۔

گلبرگہ ۲۲ر نومبر شنبہ کو ہم اپنی آخری اور محبوب منزل گلبرگہ کی طرف بڑھ رہے تھے، ہم کو دن ہی دن میں ڈیڑھ سو میل کی مسافت طے کرنی تھی، اس شہر کو ایک طرف جنوبی ہند کے طاقتور ترین اور عظیم ترین فرمانرواؤں (سلاطین بہمنیہ) کا دارالسلطنت ہونے کا فخر حاصل ہے دوسری طرف سلسلۂ چشتیہ کے گل سرسبد، جنوبی ہند کے عظیم ترین مرشد حضرت سید محمد گیسو دراز کا مسکن و مدفن ہونے کا شرف حاصل ہے۔

سلطنت بہمنیہ کی بنیاد ۷۴۵ھ (۱۳۴۷ء) میں علاء الدین حسن شاہ گانگو بہمنی کے ہاتھوں پڑی، ڈیڑھ سو برس سے زائد اس خاندان نے نہایت شان وشوکت کے ساتھ سلطنت کی۔ انھوں نے رائے، وجیانگر سے بھی خراج وصول کیا۔ تلنگانہ، کرناٹک، گوا اور متعدد بندرگاہیں ان کے تصرف میں تھیں، محمود شاہ بہمنی کی وفات ۹۲۴ھ (۱۵۱۸ء) پر سلطنت کے پانچ ٹکڑے ہوگئے اور ان پانچ خاندانوں کی سلطنت کی بنیاد پڑی جن کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

حضرت خواجہ سید محمد گیسو دراز جو حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلی کے روحانی چشم و چراغ ہیں ۸۱۵ھ میں سلطان فیروز شاہ بہمنی کی دعوت پر دولت آباد سے گلبرگہ تشریف لائے اور اس کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے گل و گلزار و مطلع انوار بنا دیا دس برس تک تربیت خلق اور یاد حق میں مشغول رہ کر ۸۲۵ھ میں واصل بحق ہوئے اسی سال سلطان نے بھی وفات پائی۔

ہمارے خوش ذوق میزبانوں نے ہمارے قیام کا انتظام درگاہ کے مہمان خانہ ہی میں کرایا۔ اس درگاہ میں وہ کہنگی و شکستگی نہیں پائی جاتی جو عام طور پر مقابر کی خصوصیت ہے۔ روشن و ہوادار صاف ستھرے کمرے، مصفیٰ صحن، دل آویز اور پر سکینت فضا، ہم لوگوں نے مسنون طریقے پر فاتحہ خوانی کی، عصر کی نماز اور کھانے سے فارغ ہوئے اور کچھ دیر آرام کیا مغرب کے بعد ڈاکٹر صاحب اور ان کے چند رفقاء

نے جلوس میں شرکت کی۔

گلبرگہ کے عظیم الشان جلسہ عام میں میری تقریر

شب میں بعد نماز عشاء عام جلسہ ہوا یہ اس پورے دورے کا سب سے بڑا عظیم الشان اور مؤثر جلسہ تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شہر کی ساری مسلم آبادی جو جلسے میں آنے کے قابل ہے جلسے میں آگئی ہے۔ لوگوں کا اندازہ تھا کہ دس ہزار کا اجتماع ہے۔ قرأت اور نظموں کے بعد پہلے ڈاکٹر صاحب نے جلسے میں تقریر کی پھر مولانا ابواللیث صاحب اصلاحی نے مجلس کے مقاصد اور دائرۂ عمل پر دستوری انداز میں تفصیل سے روشنی ڈالی۔ ان کے بعد راقم سطور نے تقریر کی یہ اس تاریخی دورے کی آخری تقریر تھی، گلبرگہ کی فضا، اہل شہر کا خلوص و محبت، دورے کے اختتام کا احساس، تقریر دل کھول کر کی گئی، پہلے مسلمانوں کا منصب و مقام ان کے فرائض و ذمہ داریاں بیان کی گئیں اور بتایا گیا کہ تمام صوفیاء کرام جن کی ایک اہم کڑی وہ بزرگ ہیں جو یہاں آسودۂ خاک ہیں اس ملک میں ایک پیغام و دعوت لے کر آئے تھے ان کا مقصد زندگی دعوت و خدمت تھا، ان کی نظر لینے سے زیادہ دینے پر، فائدہ اٹھانے سے زیادہ فائدہ پہونچانے پر طلب و سوال سے زیادہ بذل و نوال پر تھی اس لئے وہ محبوب و مخدوم تھے ؎

عدیل ہمت ساقیست فطرت عرفی　　　　که حاتم دگراں و گدائے خویشتن است

پھر ملک کی موجودہ سیاسی صورتحال پر روشنی ڈالی گئی اور کہا گیا کہ کسی حکمراں پارٹی کا یہ سمجھ لینا کہ وہ ناقابل تبدیل ہے اور کسی ملک کی حکومت دائمی طور پر اس کے نام لکھ دی گئی ہے اس جماعت کے لئے بھی سخت مضر اور اس ملک کے لئے بھی نہایت خطرناک ہے وہ شخصی سلطنتیں جو آپ کے چاروں طرف پھیلی ہوئی تھیں، گلبرگہ کی بہمنی سلطنت، بیدر کی برید شاہی، بیجاپور کی عادل شاہی، گولکنڈہ کی قطب شاہی احمد نگر کی نظام شاہی، اور برار کی عماد شاہی، اس کی بہترین مثال ہیں ان خاندانوں میں اچھے سے اچھے فرمانروا پیدا ہوئے یہ سلاطین خدا اور رسول کو پہچانتے تھے ان میں سے بہت سے

لوگ دین کا بھی اچھا علم رکھتے تھے بہت سے نیک اور پرہیزگار تھے لیکن جب ان کو یہ احساس ہونے لگا کہ ہم کو کوئی ہٹا نہیں سکتا اور ہمارے خاندان سے سلطنت منتقل نہیں ہوگی۔ اور اس ملک کا پٹہ ہمارے نام لکھ دیا گیا ہے تو انھوں نے بے عنوانیاں شروع کیں ان سے بڑی بڑی زیادتیاں ہوئیں انھوں نے نڈر اور بے خوف ہوکر کارروائی شروع کی یہ انسان کی فطری کمزوری ہے کہ جب اس کو اپنی قوت و دولت کا احساس ہوتا ہے اور حکومت کا نشہ اس پر سوار ہو جاتا ہے تو سرکش و بے لگام ہو جاتا ہے قرآن قرآن مجید میں اسی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے۔ "كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيَطْغَىٰ أَنْ رَآهُ اسْتَغْنَىٰ" (ہرگز نہیں، بیشک انسان سرکشی پر کمر باندھ لیتا ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ اب وہ مستغنی اور بے نیاز ہے) اگر جمہوری حکومتوں اور پارٹیوں کو بھی اس کا احساس ہو جائے کہ ان کو کوئی نقصان نہیں پہونچا سکتا۔ ان کی رعیت ان کا احتساب نہیں کرسکتی وہ غلطیاں اور زیادتیاں کرکے بھی اقتدار حکومت سے محروم نہیں ہونگی تو ان میں اور شخصی فرمانرواؤں میں کوئی فرق نہ ہوگا۔ ہم کو اپنے جمہوریہ میں یہ نظیر قائم نہیں کرنی چاہیئے اور اپنے حکمرانوں اور نمائندوں کو یہ اطمینان نہیں دلانا چاہیئے کہ حکومت میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ اور وہ اٹل ہے۔ اس لئے ہم کو اپنے حق رائے دہندگی کو صحیح طور پر استعمال کرکے جب کبھی ضرورت ہو حکومت میں تبدیلی کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور بہتر آدمیوں کے لانے میں کوتاہی نہیں کرنی چاہیئے تاکہ وہ لوگ جن کے ہاتھوں میں حکومت کی باگ ڈور ہے ہمیشہ چوکنا اور ہوشیار رہیں اور اپنے فرائض خوش اسلوبی سے ادا کرسکیں، مسلمانوں کو یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ جو چیز ضروری ہے وہ دستور اور ملک کے ساتھ وفاداری ہے، کسی پارٹی یا کسی حکومت کی وفاداری ہرگز ضروری نہیں، اگر ایسا ہوتا تو حکومتوں میں کوئی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ حالانکہ جمہوریت کی بقا اور ملک کی حفاظت و ترقی کے لئے یہ بات ضروری ہے پھر مسلمانوں سے اپیل کی گئی کہ وہ مادی زندگی کی آسائشوں اور عام شہری حقوق کے حصول پر قناعت نہ کریں وہ پورے خلوص اور جوش کے ساتھ اس کا مطالبہ بھی کریں اور اس

کے لئے جدو جہد کبھی کی کہ وہ اپنے تمام ملی تشخصات اور اپنی پوری تہذیب و ثقافت اور اپنی پوری مذہبی آزادی کے ساتھ اس ملک میں رہیں گے، ہم کو کسی حال میں ان کتوں کے پست مقام پر نہیں اترآنا چاہیئے جن کو اگر راتب مہیا کر دیا جائے تو وہ مطمئن اور قانع ہو جاتے ہیں۔

راقم کو اس کا اعتراف ہے کہ یہ تقریر کی لفظ بہ لفظ نقل نہیں ہے، الفاظ میں بہت کچھ تغیر و تبدل ہو گیا ہے۔ تقریر و تحریر میں جو کچھ فرق ہوتا ہے اس سے زائد اس خلاصے میں وضاحت ہے۔ وضاحت و تشریح اور اضافہ ہو گیا ہے۔ اسی طرح سے اس کے بہت سے حصے جن میں خطابت کا عنصر زیادہ غالب تھا قصداً حذف کر دیئے گئے۔

مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کی اختتامی تقریر

راقم کے بعد ملا جان محمد صاحب نے ایک دلچسپ پر از ظرافت و حقیقت تقریر کی پھر مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کھڑے ہوئے اور انھوں نے دورہ کی اختتامی تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ صحیح آزادی و جمہوریت وہ ہوتی ہے جس کا فیض یکساں طریقے پر آبادی کے تمام عناصر اور ملک کے تمام فرقوں اور طبقوں کو پہونچے۔ سورج کو دیکھئے اس کی روشنی اور اس کی نورانی شعاعیں کسی مذہب و ملت اور کسی امیر و غریب میں تفریق نہیں کرتی وہ غریب کے جھونپڑے اور امیر کے محل کو یکساں روشن کرتی ہیں۔ بارش آتی ہیں تو پورے خطے کو سیراب کر جاتی ہے اور سب کی پیاس بجھاتی ہے۔ ہوا چلتی ہے تو سب کو لگتی ہے۔ اسی طرح صحیح آزادی اور جمہوریت تو یہ تھی کہ اس ملک میں کسی کی حق تلفی نہ ہوتی اور کسی کو کبھی شکایت کا موقع نہ ہوتا۔ کسی فرقے اور طبقے کے ساتھ امتیازی سلوک نہ ہوتا۔ جگر نے خوب کہا ہے ؎

بہار آئے اور اس شان کی بہار آئے
کہ پھول ہی نہیں کانٹوں پہ بھی نکھار آئے

چمن چمن ہی نہیں جس کے گوشہ گوشہ میں
کہیں بہار نہ آئے، کہیں بہار آئے

لیکن افسوس ہے کہ ایسا نہیں ہوا مسلمانوں کو اپنے بعض حقوق ومسائل کے متعلق شکایت ہے کہ ان کی طرف پوری توجہ نہیں کی گئی لیکن یہ صورتحال زیادہ دنوں تک قائم نہیں رہ سکتی۔ مسلمانوں کو مایوس نہیں ہونا چاہیئے۔ ان کو یہ محسوس کرانا چاہیئے کہ ان کے ضروری اور حقیقی مسائل کیا ہیں، مسلم مجلس مشاورت درحقیقت اسی مقصد کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ الگ الگ پلیٹ فارموں اور الگ الگ جماعتوں کی طرف سے اگر کوئی آواز بلند ہوتی تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ یہ ایک انفرادی مطالبہ ہے لیکن اب مسلم مجلس مشاورت میں مسلمانوں کی سب جماعتیں شریک ہیں، ہم ایک طرف ملک کے استحکام اور ہندو مسلمانوں کے اتحاد کی دعوت دیتے ہیں، دوسری طرف مسلمانوں کے حقیقی مسائل کی نمائندگی بھی کرتے ہیں تاکہ مسلمان گرم جوشی اور اعتماد کے ساتھ اس ملک کی تعمیر وترقی میں حصہ لے سکیں اور ملک کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہونچے۔

مفتی صاحب کی تقریروں میں جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہے رجائیت اور تعمیری وایجابی نقطۂ نظر غالب ہوتا ہے۔ انکی تقریریں جذبات میں اشتعال اور غم وغصہ پیدا کرنے کے بجائے مسائل کو سلجھانے اور حالات کی طرف سے پُر اُمید رہنے پر آمادہ کرتی ہیں۔ انھوں نے اس دورے میں مختلف موقعوں پر جو تقریریں کیں ان کے مختلف اجزاء اور ان کی اصل روح ناقل کے الفاظ میں آگئی ہے جگر کے دو شعر جو انھوں نے مختلف دوروں میں پڑھے سامعین میں بڑی کیفیت اور اہتزاز پیدا کر دیتے ہیں اور جو حقیقت ان دو شعروں کے قالب میں دو منٹ میں سامنے آجاتی ہے اس کو اگر نثر میں بیان کیا جائے تو آدھا گھنٹہ اور ایک گھنٹہ لگ سکتا ہے بقول ان کے یہی شعر کی خوبی ہے۔

واپسی

وفد کے اصل داعی و محرک اور ریاست میسور کی مجلس مشاورت کے صدر عزیز سیٹھ صاحب کی مخلصانہ اور دردمندانہ تقریر کے بعد جس میں انھوں نے بڑے تأثر کے ساتھ وفد کی آمد کا شکریہ بھی ادا کیا. اس طوفانی دورے اور شب و روز کی مصروفیت اور محنت پر معذرت بھی کی اپنے رفقائے کار اور اہل سیاست کی رفاقت و نصرت کا شکریہ ادا کیا. یہ جلسہ بخیر و خوبی ختم ہوا۔ مہمانوں نے درگاہ میں آکر آرام کیا اور صبح مختلف رفقاء مختلف سمتوں پر اپنے اپنے مستقر پر روانہ ہو گئے۔

جذبۂ تشکّر

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ انجمن طلبائے بھٹکل کے لئے یہ بڑی سعادت و مسرت کی بات ہے کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء کی اس دلچسپ علمی ادبی اور تاریخی روئیداد سفر بنام "بارہ دن ریاست میسور میں" زیور طباعت سے آراستہ ہونے کے بعد علم دوست اور باذوق حضرات کی خدمت میں پیش کرنے کا زرّیں موقعہ نصیب ہو رہا ہے۔ خدا کا شکر ہے کہ حضرت مولانا مدظلہ العالی نے بخوشی ہمیں اس کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی جس کے لئے ہم سراپا شکر گذار ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آیندہ بھی اسی طرح خدمت کا موقعہ عنایت فرمائیں گے گو ہمیں اس کا اعتراف ہے کہ کتابت و طباعت جتنی اونچی اور معیاری ہونی چاہیئے تھی وہ نہیں ہو پائی اس میں ہماری ناتجربہ کاری کا بڑا دخل ہے لیکن پھر بھی جو ہم سے سعی ہو سکتی تھی اس کے کرنے میں حتی الامکان دریغ نہیں کیا گیا ہے لیکن اس کے باوجود کتابت کی غلطیوں کا امکان ہے جن سے مطلع ہونے پر آیندہ ایڈیشن میں ان کی تصحیح کا انتظام کیا جائے گا۔

ہم مولانا محمد الحسنی صاحب ایڈیٹر "البعث الاسلامی" و "تعمیر حیات" کے بہت ممنون و مشکور ہیں کہ آپ نے اس رسالہ پر پیش لفظ لکھ کر ہماری ہمت افزائی فرمائی اور اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا نیز ہم مولوی غفران صاحب ندوی کا بھی شکریہ ادا

کرتے ہیں کہ انھوں نے باوجود اپنے کثرتِ مشاغل کے اس رسالے کی کتابت وطباعت کے سلسلے میں ہماری رہنمائی فرمائی اور بڑی حد تک ساتھ دیا۔ اللہ تعالیٰ انھیں جزائے خیر دے۔

آخر میں ہماری دعا اور تمنّا ہے کہ یہ رسالہ جس غرض اور مقصد کے پیشِ نظر شایع کیا جارہا ہے اس میں کامیابی نصیب ہو، یہ زیادہ سے زیادہ ہاتھوں تک پہونچے اور اس کی خوب اشاعت ہو۔ خدا سے قوی امید ہے کہ وہ ہماری انجمن سے آیندہ بھی اس طرح علمی و دینی کام لیتا رہے گا۔ اس کے لئے ناظرین سے دعاؤں کی درخواست ہے۔

وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

قاضی محمد فاروق بھٹکلی

طلبۂ بھٹکل دارالعلوم ندوۃ العلماء

لکھنؤ